ABC CERTIFIED
تصدیق شدہ اشاعت

سہ روزہ زچہ کی آبروریزی

بھارتی فوجیوں کی درندگی

محمد احمد صدیقی

ابو جنید

زرِ تعاون سالانہ

پاکستان	۳۰۰	روپے
سعودی عرب	۲۰۰	ریال
متحدہ عرب امارات	۲۰۰	درہم
بھارت و بنگلہ دیش	۴۵	امریکی ڈالر
افریقہ و ایشیاء	۵۰	امریکی ڈالر
یورپ	۵۵	امریکی ڈالر
امریکہ و آسٹریلیا	۶۰	امریکی ڈالر

زرِ تعاون پاکستانی کرنسی میں کسی ایسے بنک کی معرفت ارسال فرمائیں جس کی کراچی میں شاخ ہو۔

دفتر رابطہ

۶۱۲ یونی شاپنگ سنٹر
ریجنسی مال عبداللہ ہارون روڈ صدر کراچی

فون: ۵۱۲۷۷۵

پبلشر محمد احمد صدیقی نے النور پبلیکیشنز کے تحت پرنٹر ارشاد احمد خان مشرق پریس ۶-۱ کورٹ روڈ سے چھپوا کر ۶۱۲ یونی شاپنگ سنٹر ریجنسی مال شاہراہ عراق صدر کراچی سے شائع کیا

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اور جو اللہ کی راہ میں مارے گئے۔ ہرگز انہیں مردہ نہ خیال نہ کرنا۔ بلکہ وہ اپنے رب کے پاس زندہ ہیں۔ روزی پاتے ہیں۔ شاد ہیں اس پر جو اللہ نے انہیں اپنے فضل سے دیا۔ اور خوشیاں منا رہے ہیں۔ اپنے پچھلوں کی جو ابھی ان سے ملے۔ کہ ان پر نہ کچھ اندیشہ ہے اور نہ کچھ غم۔ خوشیاں مناتے ہیں۔ اللہ کی نعمت اور فضل کی اور یہ کہ اللہ تعالیٰ ضائع نہیں کرتا۔ اجر مسلمانوں کا۔

آل عمران آیت ۱۶۹-۱۷۱

(کنزالایمان)

صحیح بخاری شریف میں مقدام بن معدیکرب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس کھانے سے بہتر کوئی کھانا نہیں جس کو کسی نے اپنے ہاتھوں سے کام کر کے حاصل کیا ہے۔ اور بے شک اللہ کے نبی داؤد علیہ السلام اپنی دستکاری سے کھاتے تھے۔ صحیح بخاری شریف میں ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں لوگوں پر ایک زمانہ ایسا آئے گا کہ آدمی پرواہ بھی نہ کرے گا کہ اس چیز کو کہاں سے حاصل کیا ہے۔ حلال سے یا حرام سے۔

(بہار شریعت)

کیا شریعت بل کے قومی اسمبلی میں پہنچ جانے پر اس کا توڑا جانا ضروری تھا؟

صدر غلام اسحاق خان نے صدارتی حکم کے ذریعہ قومی اسمبلی کو توڑنے کا اعلان کر دیا۔ یہ ہماری قوم کی بدقسمتی ہے کہ اول تو ملک میں انتخابات کا عمل بڑی مشکل سے آتا ہے اور اگر کبھی یہ موقع مل بھی جائے اور اس کے نتیجہ میں جمہوریت وجود میں آجائے تو وہ بھی زندگی پوری نہیں کر پاتا۔ اسمبلیوں کو توڑنے کا سلسلہ غلام محمد سے شروع ہوا اور اس مرتبہ بھی غلام اسحاق خان کے ہاتھوں تکمیل پایا کہنے کو تو دونوں ناموں میں "غلام" قدر مشترک ہے لیکن مزاج "غلام" کے بجائے شاہانہ ہے بلکہ یہ کہا جائے تو بے جا نہ ہو گا کہ آمرانہ ہے۔ قومی اسمبلی توڑنے کے لیے جو جواز دیا گیا ہے وہ "کرپشن" اور "بدعنوانی" ہے۔ ناقدین کا کہنا ہے کہ قومی اسمبلی بھی توڑنا "کرپشن" اور بدعنوانی ہی کے مترادف ہے اس لیے کہ "کرپشن" کو روکنے کے کئی راستے ہیں مگر یہ محسوس کر لیا جائے کہ برسر اقتدار حکومت بدعنوان ہے تو بجائے پوری قومی اسمبلی کو توڑنے کے بدعنوان طبقہ کو حکومت سے دست بردار کر دیا جائے اور اس کے بدلے میں قومی اسمبلی کے کسی اور ممبر کو وزارت عظمیٰ کی دعوت دی جائے مگر یہ عمل اور اس کا کامیاب ہونا غالباً صدر محترم کو ناممکن نظر آرہا تھا اور کوئی ایسا "ایماندار" شخص ممبران قومی اسمبلی میں نہیں ملا جس کی ایمانداری پر سب اعتماد کر لیتے۔ غالباً حمام میں سب "ایک ہی طرح کے تھے" تو جب سارے کے سارے ہی بدعنوان تھے تو ان بدعنوان لوگوں میں سے نگران وزیر اعظم کا انتخاب عجیب مضحکہ خیز نظر آتا ہے ویسے بھی ایک غریب ملک پر الیکشن کا بار بڑا مہنگا ہوتا ہے۔ اس طرح کا عمل قوم اور عوام پر ایک بوجھ ہی ہے۔

ان ہی "تناظر" کے پیش نظر ملک کے بہی خواہ سیاستدانوں نے صدر محترم کے عمل کو غیر جمہوری اور جانبدار تصور کیا ہے۔ ان کے نزدیک بدعنوانیوں کو روکنے کے لیے کئی دوسرے متبادل راستے تھے لیکن ان سے گریز کیا گیا۔ ظاہر ہے ایسے اقدامات کرنے سے لوگوں کے شکوک و شبہات کو تقویت پہنچتی ہے اور بدگمانیاں بڑھتی ہیں۔ دوسری بات یہ ہے کہ اگر کسی بدعنوان حکومت کو ختم کر کے ان کی جگہ "نیک نام" حضرات کو دعوت دی جاتی تو اس شبہ کا ازالہ ہو جاتا۔ اسمبلی توڑنے کے بعد اور وفاقی اور صوبائی حکومتوں کی تشکیل کے بعد یہ بات پایۂ تکمیل کو پہنچ چکی ہے کہ ایسے لوگوں کو وزارت کی پیش کش کی گئی ہے۔ جن کا ماضی بے داغ نہیں ہے جنہوں نے ضیاء الحق کے دور میں مراعات حاصل کی ہیں اور بنکوں سے قرضے وصول کئے ہیں اور سیاسی بنیاد پر ناجائز دولت کمائی ہے ایسے بھی حضرات موجود ہیں جنہوں نے بھٹو کے دور میں گھناؤنا کردار ادا کیا ہے۔ اپنی گورنری اور وزارت اعلیٰ کے دور میں وہ "گل" کھلائے ہیں کہ ان کے دامن پر اب بھی ان سیاہ کاریوں کے داغ دیکھے جا سکتے ہیں۔ ان حالات میں تو پھر یہی کہا جا سکتا ہے کہ صدر محترم کا اقدام ایک غیر جمہوری عمل ہے اور یہی نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ بقول شخصے ایک کرپٹ حکومت کو "ہٹا کر" دوسرے بدعنوان لوگوں کو حکومت سونپ دی گئی۔

صدر محترم کے اس جانبدار اور غیر جمہوری عمل کو بیرونی ممالک میں بھی نہیں سراہا گیا۔ ان کے اس عمل سے پاکستان کی نیک نامی تو نہیں البتہ بدنامی ہوئی ہے۔ بین الاقوامی آداب ہیں کہ جب کوئی سربراہ "عہدہ" یا حلف اٹھاتا ہے تو اس کی تمام دنیا سے پذیرائی ہوتی ہے اور مبارکباد کے پیغامات وصول ہوتے ہیں، لیکن ابھی تک کسی بھی ملک نے نگران وزیر اعظم کو مبارکباد کے پیغامات نہیں بھیجے ہیں جس سے اس بات کا عندیہ ضرور ملتا ہے کہ بیرونی دنیا میں صدر محترم کے اس اقدام کو قدر کی نگاہ سے نہیں دیکھا گیا۔ بجائے اسمبلی توڑنے کے اگر صدر محترم دوسری صورت اختیار کرتے اور کسی اور کو وزارت عظمیٰ کی دعوت دیتے اور اگر اس طرح سے حکومت کی تشکیل ہو جاتی اور قومی اسمبلی برقرار بھی رہتی تو صدر محترم کو بھی رسوائی نہ اٹھانی پڑتی اور پاکستان کا وقار بھی باقی رہ جاتا۔

اگست کے پہلے ہفتہ میں اسلام آباد میں سیاسی خانہ جنگی کی صورتحال منظر عام پر آگئی تھی۔ حزب اقتدار اور حزب اختلاف کا تنازعہ ناقابل واپسی مقام پر پہنچ گیا تھا۔ احوال نے قارئین کو مطلع کر دیا تھا کہ اس "خانہ جنگی" کے نتیجہ میں سیاسی تبدیلیوں کا ظہور میں آنا کوئی اچنبھے کی بات نہیں۔ لیکن یہ توقع ہرگز نہیں تھی کہ ایسا "غیر جمہوری" عمل بھی سربراہ مملکت سے سرزد ہو گا۔ اخباری اطلاعات کے مطابق مولانا سمیع الحق نے صدر محترم سے ملاقات کی تھی اور ان کو اسمبلی نہ توڑنے کا مشورہ دیا تھا اور خدشہ ظاہر کیا تھا کہ اس وقت جبکہ "شریعت بل" اسمبلی میں پیش ہونے والا ہے اگر اسمبلی کا وجود ختم کر

دیا گیا تو ناقابل تلافی نقصان ہوگا۔ لیکن ٹھیک اسی دن اسمبلی توڑنے کا اعلان کیا گیا جس دن "شریعت بل" اسمبلی میں پیش ہونے والا تھا ذی شعور افراد یہ سوچنے پر مجبور ہیں کہ صدر محترم نے ایسا کیوں کیا؟ کیا کسی بڑی طاقت کے اشارے پر عین اس وقت اسمبلی توڑی گئی جس دن شریعت بل کو پیش ہونا تھا۔ کیا کوئی بڑی طاقت اسلامی قانون کے نفاذ میں رکاوٹ بنی ہوئی ہے یہ ہیں وہ سوالات جو عوام کے ذہن کو پریشان کئے ہوئے ہیں۔ ناقدین کا یہ بھی کہنا ہے کہ اگر شریعت بل" اسمبلی میں پیش ہو جاتا اور پیپلز پارٹی اس کی مخالفت کرتی تو عوام میں اس کا چہرہ بے نقاب ہو جاتا اور وہ خود بخود غیر مقبول ہو کر رہ جاتی اور اپنی سیاسی ساکھ کھو دیتی۔ لیکن صدر محترم کے اس عاجلانہ فیصلے نے عوام کو یہ سوچنے پر مجبور کر دیا ہے کہ کیا اسمبلی کے توڑے جانے کا اعلان اس دن صحیح تھا جس دن قومی اسمبلی میں "شریعت بل" پیش ہونا تھا۔ صدر محترم نے آخر ایسا کیوں کیا۔ اور اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ صدر محترم نے نیک نیتی کی بناء پر اور کرپشن کو روکنے کے لیے انتہائی اقدام اٹھایا ہے تو پھر سوال یہ اٹھتا ہے کہ آخر ۲۰ ماہ تک انہوں نے کرپشن کی اجازت کیوں دی۔ اگر ۲۰ ماہ تک وہ آنکھیں بند کر سکتے تھے تو چند دن اور صبر کر لیتے اور "شریعت بل" کو اسمبلی میں پیش ہو جانے دیتے۔ لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ صدر محترم پر کوئی بہت بڑا دباؤ تھا جس کی وجہ سے ان کو یہ قدم اٹھانا پڑا

قدرِ جوہر شاہ داند یا بداند جوہری

لاہور کے ایک معاصر جریدے نے عراق کے صدر صدام حسین کو "صلاح الدین ایوبی" کا خطاب دیئے جانے پر بڑا برا منایا ہے مدیر موصوف کی طبع نازک پر یہ خطاب ایک برقِ خاطف کی طرح گرا ہے جس نے ان کی کور ہوتی ہوئی آنکھوں کو مزید کور بنا دیا اس مرحلے پر یہی کہا جا سکتا ہے کہ دیدہ کور کو کیا آئے نظر کیا دیکھے ابتداء میں قائدِ اعظم محمد علی جناح کو بھی قائدِ اعظم کا خطاب دیئے جانے پر ایسی ہی مخصوص سوچ کے حامل افراد نے ناک بھوں چڑھائی تھی کہ یہ انگریزی بود و باش کا حامل شخص ایسے القاب و خطاب کا کہاں حقدار ہے یہ کیا کسی اسلامی ملک کے حصول کی رہنمائی کرے گا، مگر جو دیدۂ بینا رکھتے تھے انہوں نے پرکھ لیا تھا کہ اس شخص کے اندر جو جوہر چھپا ہوا ہے اسکی موجودہ دور کے مسلمان کو ضرورت ہے انگریزی قانون کی باریکیوں، جدید سیاست کے داؤ پیچ اور فرنگی حکمتِ عملی کے محرمِ راز کی ملت کو احتیاج ہے اور پھر دنیا نے دیکھا کہ اللہ نے اس شخص کے ہاتھوں ایک آزاد و خود مختار اسلامی ریاست کی بنا ڈالی اسکے ذریعے وہ کام لیا گیا جو اسوقت کے نام نہاد مذہبی ٹھیکیداروں کے بس کا نہ تھا، اللہ تعالیٰ عالم الغیب ہے علیم و بصیر ہے وہ جانتا ہے کہ کس وقت ملت اسلامیہ کے کس رہبر کی باگ ڈور کیلئے کون بہتر ہو گا یہ قدرت ہے اللہ تعالیٰ کی اس حکمت کا ادراک وہی مردان حق کر سکتے ہیں جن کے ضمیر روشن ہیں اور قلب و نظر ایمان کی روشنی سے منور ہیں، مدیر موصوف نے یہ شعر تحریر کیا ہے:

> زندہ دل سے نہیں پوشیدہ ضمیرِ تقدیر
> خواب میں دیکھتا ہے عالمِ نو کی تصویر

مذکورہ بالا شعر میں خود ان کے سوال کا جواب پوشیدہ ہے، صدر صدام حسین کو "صلاح الدین ایوبی" کا خطاب دینے والا ایک روشن ضمیر امام ہے جس نے صدام کی جلو میں ابھرنے والی اسلام کے عالمِ نو کی تصویر دیکھ لی ہے،

مدیر موصوف کے اداریے میں ان کے ہر سوال کا جواب ہے انہوں نے لکھا ہے کہ "متحدہ عرب امارات کے شیوخ اور خادم الحرمین الشریفین اللہ اور اسکے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے پیغام پر کان نہیں دھرتے،، حیف کہ یہ کچھ دیکھنے کے بعد بھی دین کا دم بھرنے والے ہمارے عرب بھائیوں کی آنکھیں نہ کھلیں گی نہ وہ اپنے عیش و عشرت سے کنارہ کش ہونگے"

صدر صدام حسین عرب شیوخ اور فرمانرواؤں کی انہی کج ادائیوں اور عشرت پسندیوں کے خاتمہ کے لیئے آگے بڑھے ہیں، شاہ فہد نے صرف اپنے ذاتی استعمال کے لیئے تین محل تعمیر کئے ہیں کیا یہ مسلمان فرمانروا کو زیب دیتا ہے؟ عرب دنیا جن رجواڑوں میں بٹی ہوئی ہے کیا وہ کبھی اسرائیلی قوت کو شکست دے سکیں گے؟ عرب اتحاد کی باتیں تو بہت کی جاتی ہیں لیکن ان چھوٹی چھوٹی بادشاہتوں کی موجودگی میں یہ عملاً ممکن ہے؟ کیا اسلام اسکی اجازت دیتا ہے کہ ملکی وسائل پر تنہا ایک خاندان قابض بن کر بیٹھ جائے؟

صدر صدام تمام عرب دنیا کو ایک مرکز اور پلیٹ فارم پر جمع کرنا چاہتے ہیں تاکہ متحد ہو کر اسرائیل کے ناپاک وجود کا صفایا کیا جائے انہوں نے گفت و شنید کا دروازہ کھلا رکھا ہے، جائیں اور ان سے بات کریں کویتی عوام کو انہوں نے کوئی گزند نہیں پہنچائی صرف اس شاہی خاندان کو راستے سے ہٹایا ہے جو کویتی دولت پر سانپ بن کر بیٹھ گیا تھا۔

مدیر موصوف نے صدر صدام کو بد کردار، احسان فراموش اور عیار و مکار کہا ہے یہ ان کے قلم کی آبرو ہے اسے جسطرح چاہیں بے آبرو کریں مگر کیا وہ ثابت کر سکتے ہیں کہ صدام حسین عیاش ہیں اس نے حرم پالے ہوئے ہیں وہ یورپ کے نائٹ کلبوں میں ملکی دولت کو لٹاتا ہے ــــ اگر نہیں تو مان لیں کہ وہ ایک مجاہد ہے مستقبل کا "صلاح الدین ایوبی" ہے۔

اب رہا سوال امریکہ کی مداخلت کا تو علاقے میں اسے در آنے کی کس نے دعوت دی ہے؟ کس نے سرزمین عرب کی آغوش امریکی فوجوں کے لیئے وا کی ہے اور کس نے امریکی فوجیوں کے بھیس میں یہودیوں کو ارضِ مقدس پر قدم جمانے کی اجازت دی ہے؟ وہ صدام حسین نہیں، شاہ فہد ہیں۔

محمد احمد صدیقی
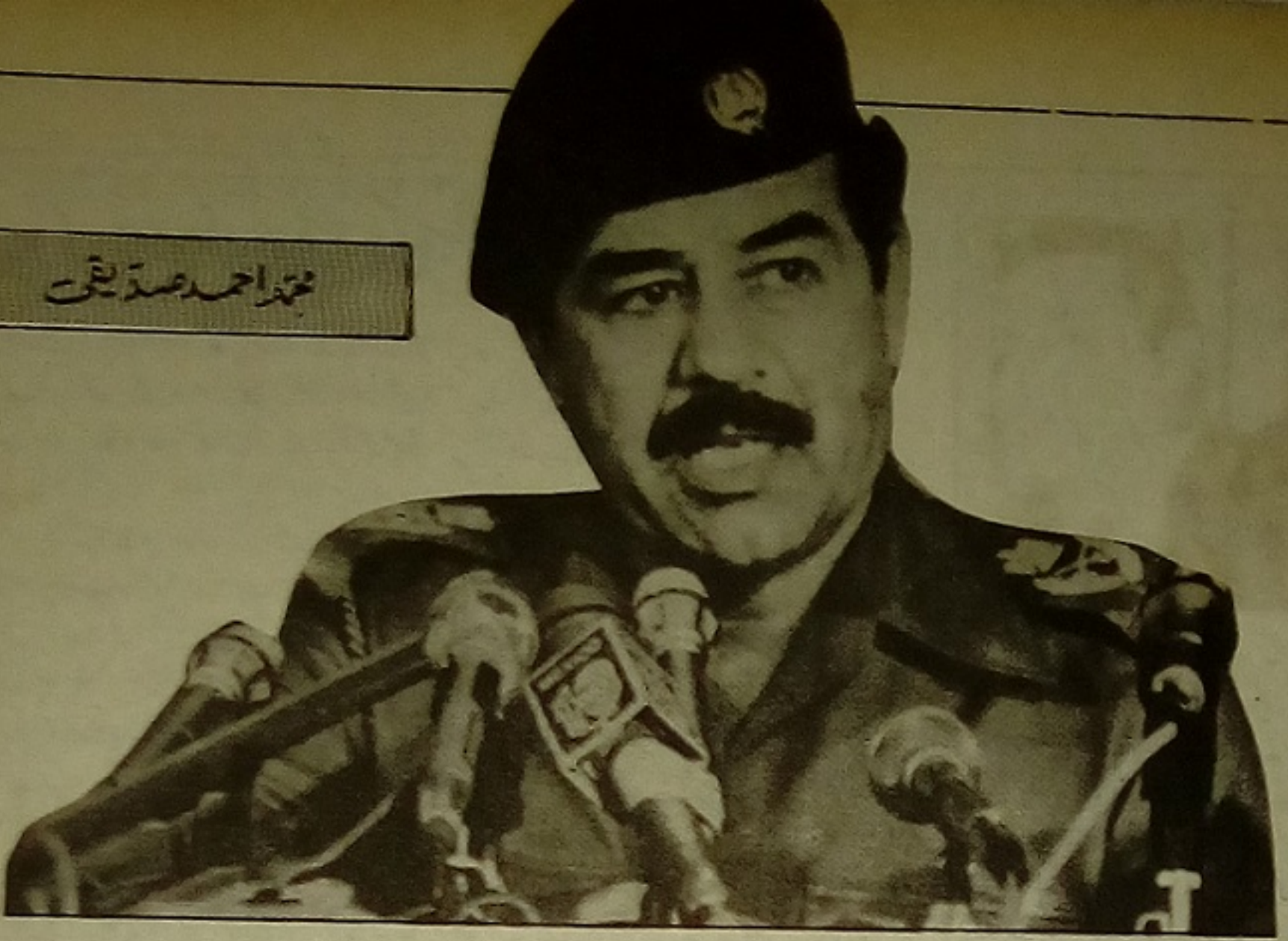
امریکہ
عراق اور سعودی عرب میں جنگ چاہتا ہے

عراق کے صدر صدام حسین کی کویت پر کارروائی کے بعد خلیج کی ریاستوں میں صورت حال کشیدہ اور تشویشناک صورت اختیار کر گئی ہے اس صورت حال کے پیش نظر یہ کہا جا سکتا ہے کہ جنگ بھڑک سکتی ہے اور یہ جنگ صرف مشرق وسطیٰ تک محدود نہیں رہے گی بلکہ پوری دنیا اسکی لپیٹ میں آ سکتی ہے اور بے پناہ تباہی ہوگی بڑی طاقتوں نے عراق کو نرغے میں لے لیا ہے اقتصادی پابندیاں لگانے کے علاوہ جدید اسلحہ کا انبار لگا دیا گیا ہے امریکہ کے صدر جارج بش نے ذاتی دلچسپی لے کر عراق کا محاصرہ کر دیا ہے جس بے دردی کے ساتھ سعودی عرب میں فوجیں اتاری گئیں اور غیر مسلموں نے جس طرح ایک مسلمان ملک کے خلاف اتحاد کا مظاہرہ کیا اس سے یہ حقیقت کافی عرصہ سے متوقع کی تلاش میں تھے کہ کس طرح عراق کے خلاف کارروائی کی جائے مگر سب سے زیادہ افسوس کی بات یہ ہے کہ سعودی عرب اس اقدام میں پیش پیش ہے

حالانکہ صدر صدام حسین نے امریکی صدر بش کو یقین دہانی کرائی ہے کہ عراق سعودی عرب کے خلاف کسی قسم کے جارحانہ عزائم نہیں رکھتا لیکن اس کے باوجود امریکہ ہٹ دھرمی پر تلا ہوا ہے اور ایک اطلاع کے مطابق برطانیہ، روس، فرانس اور مصر کے ۵۰ ہزار جوانوں نے خلیجی علاقوں میں اپنا گشت جاری کر رکھا ہے امریکہ نے سو سے زیادہ ایف ۱۵ طیارے اور ہزاروں فوجی سعودی عرب بھیج دیئے ہیں برطانیہ بھی ٹورنیڈو اسکواڈرن اور جیگوار اسکواڈرن سعودی عرب بھیج چکا ہے دوسری طرف کے بحری فوجی اڈوں سے روانہ کئے گئے ہیں۔ بارودی سرنگیں صاف کرنے والے شاہی بحریہ کے تین جنگی جہاز بھی خلیج روانہ کر دیئے گئے ہیں اور دوسری طرف امریکہ

سعودی شاہ نے ایک ایسی غلطی کی ہے جس کو تاریخ کبھی معاف نہیں کریگی

طیاروں کو امریکہ کا طیارہ ظاہر کرنے کے لیے ان پر رنگ و روغن کیا گیا، اسرائیلی پائیلٹوں کو امریکی یونیفارم اور شناختی کارڈ جاری کر کے ان کو بھی سعودی عرب روانہ کیا گیا۔

امریکہ کے اس جارحانہ رویہ پر یہی کہا جا سکتا ہے کہ سعودی عرب امریکہ کی سرزمین ہے یا پھر اب اس کی ایک ریاست کی حیثیت اختیار کر چکا ہے امریکہ کی طرف سے سعودیہ میں فوج آنا نا سخت خطرناک ہے امریکی فوج میں یہودی شامل ہیں، اسرائیلی طیاروں کو امریکی طیاروں کا رنگ دے کر اور پائیلٹوں کو امریکی یونیفارم پہنا کر سرزمین عرب پر اتار دیا گیا ہے اس طرح سے حرمین شریفین کی سرزمین پر ناپاک یہودیوں کے قدم پڑ چکے ہیں اور بڑی تعداد میں یہودی اس مقدس سرزمین پر آن پہنچے ہیں جو عالم اسلام کے ہر ذی شعور انسان کے لیے انتہائی دکھ اور رنج کی بات ہے آنا تو بہت آسان ہوتا ہے لیکن نکلنا بڑا مشکل کام ہوتا ہے سعودی عرب نے اپنی مدد کیلئے امریکہ سے جو امداد طلب کی ہے اس سے یہ بات بالکل واضح طور پر عیاں ہو جاتی ہے کہ سعودی عرب حرمین شریفین کا تحفظ کرنے میں ناکام رہا ہے، حالانکہ تمام امت مسلمہ کا یہ مطالبہ تھا کہ بین الاسلامی ممالک کی ایک فوج تشکیل دی جائے جو حرمین شریفین کے تحفظ کی ذمہ داری نبھائے اور عالم اسلام کی اس فوج کو وہاں تعینات کیا جائے، امریکہ سعودیہ میں گھس چکا ہے امریکہ کی یہ خواہش بہت دنوں سے تھی کہ کسی طرح خلیجی ریاستوں کے تیل پر قبضہ کیا جائے عراق کے صدر صدام حسین کی بار بار یقین دہانی کے باوجود سعودیہ نے امریکہ کو دعوت کیوں دی مقدس سرزمین پر یہودیوں کے ناپاک قدم کو کیوں خوش آمدید کہا گیا حرمین شریفین کے تحفظ کا دعویٰ کرنے والے یہودیوں پر زیادہ بھروسہ کرتے ہیں اور صدر صدام حسین جو ایک مسلمان ہیں ان کی باتوں پر ان کو یقین نہیں غور کرنے کی بات یہ ہے کہ ہندوستان جس نے کشمیر میں جارحیت کا وہ گھناونا کھیل کھیلا ہے جس سے مہذب انسانیت کی روح بھی شرماتی ہے کشمیر میں بھارت نے جو مظالم ڈھائے ہیں، عورتوں، بچوں اور بوڑھوں کو روزانہ گولیوں کا نشانہ بنایا ہے، عورتوں کی بے حرمتی کرتا ہے بین الاقوامی فیصلہ کو ردی کی ٹوکرے میں پھینک دیتا ہے اس وقت نہ تو یو این او کو انسانیت یاد آتی ہے اور نہ امریکہ کے صدر بش کے کانوں پر جوں رینگتی ہے لیکن ایک مسلمان کو دوسرے مسلمان ملک سے لڑانے کے لیے امریکہ اور دوسری غیر مسلم اقوام نے مستعدی اور پھرتی کا وہ مظاہرہ کیا کہ جس کی ماضی میں مثال نہیں ملتی ایک مسلم ملک عراق کی سرحد پر چار لاکھ فوج لا کر جمع کر دی، عراق کی ناکہ بندی کر دی، اقتصادی پابندیاں لگا کر عراق کو گھٹنے ٹیکنے پر مجبور کرنا چاہتا ہے اور ان سب جرائم میں سعودیہ کے شاہ فہد برابر کے شریک ہیں، در اصل امریکہ کو سعودیہ کی دولت پر قبضہ کرنے کا کوئی نہ کوئی بہانہ چاہیے تھا اور یہ موقع خود شاہ فہد نے امریکہ اور دوسری غیر مسلم قوموں کو فراہم کیا ہے دوسری طرف اسرائیل کو عراق کی بڑھتی ہوئی طاقت سے بڑا خطرہ لاحق ہو چکا تھا۔ عراق اسرائیل کے لیے ایک کھٹکتا ہوا کانٹا تھا عراق نے اپنی فوجی طاقت میں بے پناہ اضافہ کر لیا تھا اور اب وہ اسرائیل کے لیے اس طرح کا لقمہ تر نہیں تھا جس طرح اس نے ماضی میں دوسری عرب ریاستوں کو شرمناک شکست سے دو چار کیا تھا امریکہ کے سہارے اسرائیل عراق کی فوجی برتری کو توڑنا چاہتا ہے اور عراق کو خلیج میں ایک سپر پاور بننے سے روکنا چاہتا ہے عراق نے جس جسارت سے کام لیا ہے اس کی جتنی تعریف کی جائے کم ہے اس وقت دنیا کی تمام سپر طاقتیں عراق کے

قاہرہ میں عرب سربراہوں کا اجلاس ہوا جس کا مقصد عراق کویت کے تنازعہ کو پرامن طور پر حل کرنا تھا

سامنے صف آرا ہیں، لیکن صدر صدام کی طاقت اور
بت کو بزور طاقت شکست پیش کرنے کی چاہتا ہے
کہ یہ خوف دور ہو سکے انہوں نے اعلان کیا کہ عراق
ان تمام نو آبادیاتی سرحدوں کو ختم کر دے گا جن
کو دوسرے عرب دنیا اتنے ممالک میں بٹی ہوئی ہے،
صدر صدام کے اعلان میں اس بات کی جھلک ہے
اور اسی بات کا عزم ہے کہ وہ تمام چھوٹی چھوٹی ریاستوں
کو ختم کر کے ایک طاقتور مسلم سٹیٹ بنانا چاہتے ہیں
تاکہ کوئی دشمن بھی مسلمانوں کی طرف آنکھ اٹھا کر نہ
دیکھ سکے بھلا امریکہ کو یہ بات کیسے گوارا ہوگی اگر
خلیج کی تمام چھوٹی ریاستیں ختم ہو کر ایک عظیم مسلم
ملک کی داغ بیل پڑ جائے تو پھر اسرائیلی حکومت
کا قائم صفحہ ہستی سے مٹ جائے گا، مگر کتنی ستم ظریفی
اور افسوس کی بات ہے کہ سعودیہ عربیہ اس عظیم
عمل میں رکاوٹ بن رہا ہے اور اپنی بادشاہت کو

عراق پر لعن طعن کی گئی، سعودی عرب کے شاہ فہد
نے عراق کی کاروائی کو عالم عرب کی تاریخ کا بدترین
عمل قرار دیا، جبکہ مصر کے حسنی مبارک نے کہا کہ عراق
کی کاروائی غیر ملکی مداخلت اور خطے میں مزید مسلح تصادم
پر منتج ہوگی، شاہ فہد نے کہا کہ سعودی سرزمین پر
امریکی فوجوں کی موجودگی دفاعی نوعیت کی اور عارضی
ہے جبکہ سعودیہ کے طرز عمل سے یہ سوچنا جنون اور عقل
کے خلاف ہے سربراہ کانفرنس میں عراق کی عدم شرکت
رہی تھا قارئین کا کہنا ہے کہ عرب کانفرنس کا جب انعقاد
کرنا ہی تھا تو سعودیہ نے امریکی فوجوں کو اپنی سرزمین
پر کیوں اتارا اور عراق کا محاصرہ کیوں کرایا، اگر سعودی
سرزمین پر امریکی فوج کے اتارنے سے پہلے عرب
سربراہ کانفرنس کا انعقاد ہو جاتا تو ممکن ہے کوئی
مفاہمت کی راہ نکل آتی اور عراق بھی مفاہمت کے
جذبے سے شرکت کرتا، لیکن سعودیہ نے دھونس سے

ممالک کے، امریکہ صرف گیدڑ بھبکیوں سے کام لیتا
رہے گا اور کشیدگی کو قائم رکھنے کے لئے اقدامات کرتا
رہے گا تاکہ سعودیہ اور عراق ایکدوسرے کے قریب
نہ آسکیں اس طرح امریکہ اور دوسرے ممالک کو یہ
موقع فراہم ہو گا کہ ان کی فوجیں سعودیہ میں کافی عرصہ
تک قیام کریں گی اور سعودیہ سے امداد کے نام پر فوجی
خرچے وصول کریں گی اسطرح سے تیل کی دولت میں
تمام ممالک ساجھی دار بن جائیں گے جن کو اس بات
کی ایک مدت سے خواہش تھی دوسری طرف وہ عراق کی
ناکہ بندی کر کے عراق کی معیشت کو تباہ کر دیں گی
اور عراق کے سپر پاور رہنے کے تمام راستے مسدود
کر دیں گی، ناقدین کا یہ بھی کہنا ہے کہ اب خلیجی ریاستوں
میں غیر مسلم اقوام کے قدم جم جائیں گے اور وہ وہاں
سے جانا پسند نہ کریں گے ان کا کہنا ہے کہ وہ سعودیہ
اور دوسری خلیجی ریاستوں کو یہ تاثر دیں گے کہ ان
کے تحفظ کے لئے یہ بات ضروری ہے کہ امریکہ اور دوسری
فوجیں یہاں مستقل قیام کریں ——————

اور خلیجی ریاستوں کو یہ باور کرائیں کہ اسی میں ان کا
مفاد وابستہ ہے ورنہ عراق کی طاقتور فوجیں ان
کو ہڑپ کر جائیں گی، اسطرح خلیجی ریاستیں مجبور ہو کر
ان افواج کو امن کی خاطر دائمی طور پر قبول کریں گی اور
خلیجی ریاستیں ان افواج کا خرچ برداشت کرتی
رہیں گی اسطرح سے بھی ان اقوام کو تیل کی دولت
ہتھیانے کا موقع مل جائے گا، آئندہ جو کچھ بھی ہوگا
اس کی پوری ذمہ داری سعودیہ پر ہوگی سعودیہ کے
شاہ فہد نے ایک ایسی غلطی کی ہے جس کو تاریخ کبھی
معاف نہیں کرے گی۔

قارئین کو دراصل یہ بتانا ضروری ہے کہ کویت
کا اور عراق کا تنازعہ کیا ہے اور حالات کیوں اس
قدر سنگین ہو گئے جولائی کے آخری ہفتہ میں عراق
اور کویت کے درمیان تیل کے ذخائر سے مالامال
سرحدی علاقے کے بارے میں زبردست تنازعہ ہو گیا
تھا، دونوں ملکوں کے درمیان یہ بحران اسوقت
شروع ہوا جب عراق کے صدر صدام حسین نے کویت
پر الزام لگایا کہ کویت نے اپنے مغربی آقاؤں کی خوشنودی
کرنے کے لیے نہ صرف اوپیک کے زیر طے کئے گئے کوٹے
سے زیادہ تیل کی پیداوار کی بلکہ دونوں ملکوں کی

امریکی جنگی طیارے سعودی میں اتر رہے ہیں

قائم رکھنے کے لئے کافروں اور یہودیوں کی مدد کو
پکار رہا ہے، صرف پکارا ہی نہیں بلکہ ان کو مقدس
سرزمین پر بسا لیا ہے اپنی چھوٹی سی ریاست کو قائم
و دائم رکھنے کے لئے سعودیہ کے شاہ فہد نے ایسا
گھناؤنا کردار ادا کیا ہے جس کو تاریخ کبھی معاف
نہیں کرے گی۔

ادھر عرب سربراہوں نے قاہرہ میں ایک اجلاس
منعقد کیا، اجلاس کے انعقاد کا مقصد عراق اور
کویت کے تنازعے کو پرامن طور پر حل کرنا تھا یہ عالم
عرب کا مسئلہ تھا، چاہیئے تو یہ تھا کہ جذبات کو
قطع نظر رکھتے ہوئے اس مسئلہ کو افہام و تفہیم
کے ذریعے حل کیا جاتا، لیکن سربراہی کانفرنس میں

کام لیا، امریکہ کی فوج جمع کر کے عراق پر نفسیاتی
دباؤ ڈالنے کی کوشش کی لیکن صدر صدام کے آہنی
عزم کے سامنے بادشاہت کا رعب نہ چل سکا معاملہ
اور سنگین نوعیت اختیار کر گیا خلیج کے اگر حالات
بگڑے اور جنگ ہوئی تو اس کی پوری ذمہ داری سعودیہ
پر ہو گی۔

دوسری طرف ناقدین کا کہنا ہے کہ خلیج میں جنگ
چھڑنے کے امکانات کم ہیں امریکہ عراق اور سعودیہ
کی جنگ کا ہوا کھڑا کرنا چاہتا ہے، ناقدین کا یہ
بھی کہنا ہے کہ اگر جنگ ہوئی اور کسی فیصلہ پر نہ پہنچی تو امریکہ
اور دوسرے ممالک کو سعودیہ اپنی فوجیں ہٹانی پڑیں گی
جو نہ جانے کس حد تک ... ہو گا اور نہ ہی دوسرے

سیلاب کویت جیسی سرحدی پٹی کے علاقے سے تیل نکالنے کا مسلسل جاری ہے۔ عراقی صدر کا مطالبہ تھا کہ اس تیل کے بدلے میں وہ ۲۴ ارب ڈالر ادا کرے۔ اس سلسلے میں عراق نے کویت کو فوجی دھمکی بھی دے ڈالی تھی۔ اس سے تنازعہ نے اس وقت سنگین صورت اختیار کر لی جب عراق کی جانب سے کویت کو دی جانے والی دھمکی کے پیش نظر امریکہ نے کویت کے تئیں اپنی حمایت کا اظہار کرتے ہوئے خلیج فارس میں اپنے جنگی جہازوں کی نقل و حرکت کا اعلان کر دیا۔

مشرق وسطیٰ میں تیل کے معاملے میں یہ تازہ بحران اس وقت شروع ہوا جب جنیوا میں تیل پیدا کرنے والے ملکوں کی تنظیم "اوپیک" کے وزراء کی میٹنگ ہونے والی تھی جس میں تیل پیدا کرنے کے کوٹے اور اس کی قیمتوں کے بارے میں فیصلے کئے جانے تھے۔ عراق کے الزام کے مطابق کویت اور متحدہ عرب امارات نے اوپیک کی طرف سے مقررہ کوٹے سے زیادہ تیل پیدا کیا جس سے تیل پیدا کرنے والے ممالک کو نقصان پہنچا ہے۔ ان ممالک نے گذشتہ مالی سال میں [illegible] زیادہ تیل کی پیداوار کی جس کے نتیجے میں تیل کی قیمت ۱۸ ڈالر سے گھٹ کر ۱۳ ڈالر رہ گئی۔ اس طرح تیل پیدا کرنے والے عرب ممالک کو ۲۰ کروڑ ڈالر کا مالی نقصان ہوا۔ اوپیک جس کے رکن سب عرب ممالک ہیں، عراق اور سعودی عرب بھی شامل ہیں۔ عراق کی یہ شکایت تھی کہ کویت اوپیک کے معاہدے کی خلاف ورزی کر رہا ہے — اور متحدہ عرب امارات سے بازپرس کی جائے اور ان کے خلاف [illegible] ۳ ارب ڈالر کا مطالبہ کیا جائے۔ عراق نے یہ دھمکی دی کہ کویت اور متحدہ عرب امارات نے عرب مفادات کو محفوظ نہ رکھا تو ان کے تیل کے ذخائر پر قبضہ کر لیا جائے گا۔ کویت اور متحدہ عرب امارات کے ذریعے تیل کی زیادہ پیداوار کرنے کے پیچھے ان دونوں ممالک کی اصل منشا اپنے مغربی آقاؤں، خاص کر امریکہ کو خوش کرنا تھی۔ ان دونوں ممالک نے اپنی تیل کی پیداوار میں ۵۷ فیصد کا اضافہ کیا لیکن اس کے نتیجے میں تیل کی قیمت کافی گر گئی جس سے ان کی آمدنی ۳۲ فیصد گھٹ گئی لیکن عراق کا یہ کہنا تھا کہ ان دونوں ممالک نے اسے نقصان پہنچانے کی کوشش کرنے کے لئے تیل کی پیداوار میں اضافہ کیا تاکہ تیل کی قیمتیں گر جائیں اور اس سے عراقی صنعت کو نقصان پہنچے۔ ایسا اقدام عراق کو سزا دینے کے لئے اٹھایا گیا جو مشرق وسطیٰ میں امریکی مفاد کی راہ میں سب سے بڑا خطرہ بنتا جا رہا تھا اور امریکہ کے مقرب حلیف اسرائیل کے خلاف ایک محاذ قائم رکھا ہے۔

یہ سچ ہے کہ آج مشرق وسطیٰ میں عراق ایک بڑی طاقت بن کر ابھرا ہے۔ یہ کہا جا سکتا ہے کہ عراق کی بڑھتی ہوئی طاقت کے پیش نظر مغربی ممالک نے اسے خلیجی جنگ میں دھکیل کر نیست و نابود کر دینے میں کوئی کسر باقی نہیں رکھی لیکن دس سالہ خلیجی جنگ میں الجھے رہنے کے باوجود اس کی طاقت اور ترقی میں کسی طرح کی کمی نہیں آئی ہے۔ مبصرین اس بات سے بھی متفق ہیں کہ عراق ہی ایسا واحد ملک ہے جس میں اسرائیل کے ناپاک عزائم کو کچلنے کی صلاحیت ہے۔ دوسری طرف عراق تیل کو اقتصادی آلۂ کار کے طور پر بھی استعمال کرنے کا زبردست حامی ہے جس کی وجہ سے مغربی ممالک کی نیندیں حرام ہو گئی ہیں اور صدام حسین میں طرح طرح کے کیڑے نکالے گئے ہیں۔ گذشتہ دنوں عرب سربراہ کانفرنس میں صدام حسین نے جس طرح عربوں کے درمیان اتحاد کی بات کی اور تیل کی پابندی لگانے کی بات اٹھائی اس سے مغربی ممالک میں ایک کھلبلی سی مچ گئی اور صدر صدام حسین پر طرح طرح کے الزامات عائد کئے جانے لگے۔ کبھی کیمیائی اسلحہ تیار کرنے کا الزام لگایا گیا تو کبھی ان کے جارحانہ رویے پر نکتہ چینی کی گئی۔

مذکورہ صورت حال کے پس منظر میں حالات موقت ابتر ہو گئے اور عراق اور کویت کے درمیان ایک فوجی تصادم کا خدشہ پیدا ہو گیا جب عراقی دھمکی کے جواب میں امریکہ نے خلیج فارس میں اپنی جنگی کشتیاں تیز کر دیں۔ عراق نے اپنی فوج کا ایک بڑا حصہ کویت کی سرحد پر تعینات کر دیا۔ ان دونوں ملکوں کے درمیان کشیدگی کو کسی حد تک دور کرنے کے لئے مصری صدر حسنی مبارک کی کوششیں بارآور ثابت ہوئیں۔ انہوں نے اس تنازعہ کو طول پکڑنے سے روکنے کے لئے بغداد، کویت اور ریاض کا دورہ کیا اور دونوں ملکوں کو براہ راست بات چیت کے لئے راضی کر لیا جو ناکام ہو گئی اور صدر صدام نے کویت پر فوج کشی کر کے اس کو عراق کا حصہ بنا لیا۔

عراق ان تمام نوآبادیاتی سرحدوں کو ختم کر دے گا جن کی وجہ سے عرب دنیا بٹی ہوئی ہے۔

بے نظیر حکومت کی رخصتی کے اسباب

راؤ توفیق احمد

پاکستان میں گیارہ سالہ آمرانہ دور کے بعد مکمل جمہوریت کا سورج طلوع ہوا تھا۔ بے نظیر بھٹو ایک طویل جدوجہد کے بعد برسراقتدار آئی تھیں۔ حکومت سنبھالنے کے کچھ عرصہ بعد انہوں نے کہا تھا کہ روسی فوجوں نے بھی افغانستان کی سرزمین میں اتنی بارودی سرنگیں نہیں بچھائی ہوں گی جتنی بارودی سرنگیں میری راہ میں حائل ہیں۔ قومی اسمبلی میں انہیں سادہ اکثریت حاصل تھی سینیٹ میں ان کی نمائندگی برائے نام تھی اور صدر کے عہدے پر وہ شخصیت متمکن تھی۔ جو گیارہ سال تک جنرل ضیاء الحق کی دست راست بنی رہی۔ فنانشل ٹائمز نے اس صورت حال پر تبصرہ کرتے ہوئے اپنے ایک اداریہ میں لکھا تھا کہ بے نظیر کو ورثہ میں ایک ناخوشگوار (RELUCTENT) آرمی، تدبیریں کرنے والا (MANOEUVRING) صدر اور مضبوط (STRONG) اپوزیشن ملی ہے۔

ایسی نازک صورت حال میں بے نظیر بھٹو کو ایک ایک قدم پھونک کر رکھنا چاہئے تھا مگر ان کی حکومت نے غفلت، عجلت پسندی اور بدعنوانی کے تمام سابقہ ریکارڈ توڑ دیئے۔ دوست دشمن میں تمیز نہیں کی۔ جس وقت پی پی برسراقتدار آئی تھی ملک میں پائی جانے والی اکثر سیاسی قوتیں اس کی دوست تھیں۔ ایم کیو ایم کی اسے غیر مشروط حمایت حاصل تھی۔ مولانا فضل الرحمٰن، خان ولی خان، نوابزادہ نصر اللہ خان اس کے ایم آر ڈی کے حلیف تھے۔ جمعیت العلماء پاکستان کے مولانا شاہ احمد نورانی ملک میں جمہوریت کو پھلتا پھولتا دیکھنا چاہتے تھے صرف لے دے کے آئی جے آئی کا ایک گروپ ایسا تھا جو پی پی کا مخالف تھا۔ مگر پی پی کی قیادت نے ایک ایک کر کے اپنے تمام سابق حلیفوں کو ناراض کر لیا سب سے پہلے نیشنل عوامی پارٹی/پیپلز پارٹی کی حمایت سے دستبردار ہوئی جس کی تائید سے پی پی نے سرحد میں حکومت بنائی تھی۔ ولی خان کی ناراضگی اتنی بڑھی کہ وہ پی پی کی مخالفت میں اپنی روائتی حریف جماعت اسلامی سے جا ملے نوابزادہ نصر اللہ خان جنہوں نے جمہوریت کی جدوجہد میں پی پی کا بھرپور ساتھ دیا پی پی کے رویے سے نالاں ہو کر مخالف کیمپ میں جا بیٹھے۔ مولانا فضل الرحمٰن پی پی سے شاکی رہنے لگے۔ معراج محمد خان جنہوں نے ۸۳ کی تحریک بحالی جمہوریت میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا تھا اور اس سلسلے میں طویل جیل بھی کاٹی۔ پی پی کے برے سلوک کا نشانہ بنے۔ بے نظیر حکومت کی رخصتی پر انہوں نے کہا ہے کہ ایم۔آر۔ڈی کے حلیفوں سے بے وفائی کے بعد پی پی کو یہ دن تو دیکھنا ہی تھا۔

ایم آر ڈی کے حلیفوں کو ناراض کرنے کے بعد پیپلز پارٹی، ایم کیو ایم کو بھی خوش نہ رکھ سکی جس کی حمایت حاصل کرنے کے بعد وہ وزارت عظمیٰ کی امیدوار بنی تھی۔ کہتے ہیں کہ پی پی کا ایم کیو ایم سے پہلا اختلاف مرکزی وزارتوں پر ہوا۔ پیپلز پارٹی، ایم کیو ایم کو مرکز میں مؤثر وزارتیں دینے پر تیار نہیں تھی۔ اختلافات بڑھتے چلے گئے۔ جس سے فائدہ اٹھا کر آئی جے آئی نے پی پی کو اس اہم اتحادی سے محروم کر دیا اور متحدہ محاذ بے نظیر بھٹو کے خلاف تحریک عدم اعتماد لے آئی۔

سابق وزیر اعظم بے نظیر بھٹو نے ہارس ٹریڈنگ کر کے اس تحریک کو ناکام بنا دیا گو کہ ہارس ٹریڈنگ کی ابتدا سی۔او۔پی کی جانب سے کی گئی تھی کہ اس نے ارکان اسمبلی کو مختلف لالچ دے کر اپنے ساتھ ملا لیا تھا۔ اور ستر بہتر سے بڑھا کر اپنی تعداد کو ۱۰۷ ارکان تک پہنچا دیا تھا۔ مگر پیپلز پارٹی کو اتنے بڑے پیمانے پر ہارس ٹریڈنگ نہیں کرنا چاہئے تھی۔ کیونکہ ایک تو وہ برسراقتدار تھی اور اس مناسبت سے قومی خزانے کی امین تھی دوسرے وہ جمہوری روایات کی علمبردار

محسوس کی جاتی تھی۔ پیپلز پارٹی کی قیادت کو سوچنا چاہئے تھا کہ اصل طاقت ایمانداری اور جمہوری روایات کی پاسداری ہوتی ہے ہارس ٹریڈنگ نہیں ہوتی۔

تحریک عدم اعتماد بے نظیر بھٹو کے لئے ایک ایسا جھٹکا تھا جس کی بدولت انہیں خواب غفلت سے بیدار ہو جانا چاہئے تھا اپنے وزیروں کی کارکردگی پر کڑی نظر رکھنا چاہئے تھی جن کے بارے میں خود بے نظیر نے کہا ہے کہ ان میں سے کئی نوجوان اور ناتجربہ کار تھے ایسے ناتجربہ کاروں کی تو زیادہ نگرانی ہونا چاہئے تھی۔ مگر بے نظیر تو اپنے وزیروں پر اتنی مہربان تھیں کہ انہوں نے احسان الحق پراچہ کے خلاف اعلیٰ عدالتی فیصلے کو بھی تسلیم نہیں کیا اور پراچہ کو بدستور وزیر خزانہ کے عہدے پر فائز رکھا اگر وہ کم از کم اپنے اس وزیر کو برخاست کر دیتیں تو ان کی حکومت پر لگائے گئے کرپشن کے الزامات کا کسی حد تک ازالہ ہو جاتا۔ واٹر گیٹ اسکینڈل پر امریکی قوم نے اپنے منتخب صدر کو بھی معاف نہیں کیا جب کہ عدالت نے انہیں قصوروار بھی نہیں ٹھہرایا تھا مگر صدر نکسن کو استعفیٰ دینا پڑا لیکن ہمارے یہاں یہ ہوا کہ ایک وزیر جسے عدالت عالیہ نے کرپشن میں ملوث قرار دیا بڑے دھڑلے سے قومی اسمبلی میں ۹۱-۱۹۹۰ کا بجٹ پیش کرتا ہے۔

جون ۱۹۸۱ میں بھارت کی آنجہانی وزیر اعظم اندرا گاندھی نے احمد آباد چیمبر آف کامرس کے ممبران سے خطاب کرتے ہوئے انہیں تلقین کی تھی کہ وہ دولت ضرور کمائیں مگر دولت کمانے کے ساتھ ساتھ نام بھی کمائیں اندرا گاندھی نے مزید کہا کہ میرے دادا کے پاس اتنی دولت تھی کہ اگر میرے والد اس میں اضافہ کرتے اور ان کے بعد میں اسے بڑھاتی رہتی تو آج بھارت بھر میں ہم سے زیادہ دولت مند کوئی اور خاندان نہ ہوتا مگر ہم نے دولت پر نام کو ترجیح دی۔ آج دولت تو ہمارے پاس نہیں ہے مگر عزت ہے نام ہے۔ میں آپ کو دولت کمانے سے منع نہیں کرتی مگر درخواست کرتی ہوں کہ دولت کے ساتھ نام بھی کمائیں عزت بھی کمائیں۔

کاش یہی مشورہ اور یہی نصیحت اگر بے نظیر بھٹو اپنے سسرالی خاندان کو دیتیں کہ دولت ضرور کمائیں مگر اس کے ساتھ ساتھ نام اور عزت بھی کمائیں تو آج قومی اور بین الاقوامی پریس میں زرداری خاندان کی دولت کا اس طرح چرچا نہ ہوتا۔ [illegible] کے عنوان سے اسلام آباد میں کئی کتابچے شائع ہو چکے ہیں جن میں سابق وزیر اعظم اور ان کے اہل خانہ کے ساتھ

میری مشکل یہ ہے کہ ہم
جن لوگوں کو پکڑتے ہیں
انہیں عدالتیں چھوڑ دیتی
ہیں میں نے جواب دیا کہ
جنرل میری مشکل یہ ہے کہ
اگر کوئی بے قصور پکڑا گیا
تو وہ کہاں جائے گا؟

قائد غلام مصطفیٰ جتوئی قومی اسمبلی میں یہ سوال کرتے کہ "یہ ابن رئیس، ابن رئیس، ابن رئیس ایچ علی کون ہے جس نے بارہ کروڑ روپیہ ملک سے باہر بھجوایا ہے"

برطانوی اخبار فنانشل ٹائمز لکھتا ہے کہ غیر ملکی اخبارات میں بے نظیر بھٹو کی برطرفی کے ساتھ ساتھ بدعنوانیوں اور ان کے شوہر آصف علی زرداری کا نام ضرور آتا ہے دوسرے اخبار نگاروں کی رپورٹ کے مطابق ساری احتسابی مہم کا نشانہ بے نظیر بھٹو کے شوہر آصف علی ہیں۔

کرپشن اور لوٹ مار کی کہانیاں اخبارات میں شائع ہوئیں اور زبان زد عام ہوئیں بے نظیر کو آواز خلق کو نقارہ خدا سمجھ کر ان بدنام وزیروں کے خلاف کوئی ٹھوس ایکشن لینا چاہئے تھا مگر الٹا انہوں نے یہ فیصلہ سنا دیا کہ وہ سب قصے بے بنیاد ہیں انہوں نے تحقیقات کی تھی مگر انہیں کوئی ثبوت نہیں ملا۔

کرپشن پاکستان میں پہلے سے موجود تھا۔ جس کی نشاندہی پر جنرل ضیاء الحق کے دور میں متعدد صحافیوں کو جیل کی ہوا کھانا پڑی۔ کئی اخبارات کے مدیروں کو اس جرم میں گرفتار کیا گیا اور سزائیں دی گئیں کہ انہوں نے سرکاری حلقوں میں وقوع پذیر ہونے والی بدعنوانیوں کی رپورٹیں اپنے اخبارات میں شائع کی تھیں۔ بے نظیر بھٹو کے دور میں یہ ہوا کہ ایسی رپورٹیں جب جرائد و اخبارات کی زینت بنیں تو سرکاری طور پر پریس کے خلاف کوئی کارروائی نہ کی گئی اس معاملہ میں جمہوری آزادی کا خیال رکھا گیا مگر بے نظیر بھٹو نے ان رپورٹوں پر کان دھرتے ہوئے نہ تو اپنے خاندان والوں کی گرفت کی اور نہ ہی اپنے رفیقوں کو ان اہم کلیدی حکومتی عہدوں سے ہٹایا جہاں سے وہ بینکوں کو کنٹرول کرنے، قرضوں کی منظوری دینے اور تعمیرات کے ٹھیکے وغیرہ دینے کے اہم مالیاتی کاموں کو سرانجام دیتے تھے مثلاً سابق وزیر اعظم کے خسر حاکم علی زرداری فیڈرل پبلک اکاؤنٹس کمیٹی کے چیئرمین تھے جہاں سے وہ پورے مالیاتی نظام کو کنٹرول کرتے تھے آصف زرداری کے بہنوئی منور علی تالپور سندھ کے محکمہ آبپاشی اور بجلی کے وزیر تھے جہاں سے وہ سندھ کی پوری زرعی اراضی کو پانی تقسیم کرنے کے ذمہ دار تھے آصف علی زرداری کے ایک اسکول کے ساتھی آغا صدرالدین کو ہاؤسنگ اور ٹاؤن پلاننگ کا صوبائی وزیر بنایا گیا ان کے ہاتھ میں پورے صوبے کی زمینوں کے الاٹمنٹ تھے بڑے بڑے ہاؤسنگ پروجیکٹس کی منظوری بھی وہی دیتے تھے۔

اسلام آباد میں واقع ۲۸۰ ایکڑ کا ایک سرسبز و شاداب قطعہ اراضی لیک ویو ہوٹل اور تفریح گاہ کے طور پر تجویز کیا گیا تھا جس کی قیمت کا تخمینہ کم از کم ۳۰ کروڑ روپیہ اور زیادہ سے زیادہ ۴۰ کروڑ روپیہ لگایا گیا تھا مگر اس سال کے شروع میں بے نظیر بھٹو نے مجوزہ مذکورہ پلاٹ کو صرف ایک کروڑ چھیاسی لاکھ کے عوض ایک ایسی کمپنی کو فروخت کر دیا جس کا ابتدائی رابطہ کا پتہ لندن کی کسی رہائش گاہ کا دیا گیا تھا اور یہ تاثر دیا گیا کہ اس کمپنی سے بے نظیر یا ان کے خاندان کے کسی فرد کا کوئی تعلق نہیں ہے متعلقہ سرکاری افسران نے سستے داموں پلاٹ الاٹ کرنے پر سخت اعتراض کیا مگر بے نظیر نے ان اعتراضات کو مسترد کرتے ہوئے متعلقہ پلاٹ

مذکورہ ہوٹل کمپنی کو ادا کی جانی تھی لیکن اپوزیشن کا الزام ہے کہ
والی تھی۔ اس نے اس الاٹمنٹ کے خلاف عدالت میں کیس
دائر کر دیا۔ اور دعویٰ کیا کہ اس ڈیل کے پیچھے وزیر اعظم
کے شوہر آصف علی زرداری اور خسر حاکم علی زرداری ہیں
لہٰذا عدالت نے حکم امتناعی (STAY ORDER) کے ذریعہ
اس سودے (DEAL) کو تکمیل پانے سے روک دیا۔
آصف علی زرداری نے اس کے جواب میں ہتک عزت کا دعویٰ
دائر کیا اور لندن میں موجود ہوٹل فرم نے اس بات کی
تردید کی کہ اس فرم کا زرداریوں سے کوئی تعلق ہے۔
تاہم اس ڈیل نے زرداریوں کے ساتھ ساتھ سابق
وزیر اعظم کی شخصیت کو بھی فاش کر دیا سیاسی طور پہ
بے نظیر بھٹو کی شخصیت مجروح ہوئی اور اپوزیشن نے اس
کا پورا پورا فائدہ اٹھایا اس کیس کو صدر مملکت اور
مسلح افواج کے سربراہ کے نوٹس میں بھی لایا گیا بے نظیر
انہیں تو یہ بھی ان کے اقتدار کو بھسم کر دے گی چنانچہ یہی ہوا۔
یہ بھی ان کے اقتدار کے سنگھاسن کو جلا گئی ہے۔
بے نظیر نوشتہ دیوار پڑھنے میں ناکام رہیں وہ
گیارہ سالہ دور کی دہائی دیتی رہیں یہ نہ دیکھا کہ عوام
انہیں کس انداز میں دیکھ رہے ہیں انہوں نے بے نظیر
کو اس لئے تو منتخب نہیں کیا تھا کہ وہ گیارہ سالہ دور
کا رونا سنتے رہیں۔ اور ان کے مسائل جوں کے توں
رہیں ان کے حل کے لئے کوئی پیش رفت نہ ہو یہ تو ضرور
تھا کہ گیارہ سالہ دور کی خرابیوں کو ایک رات میں ختم
نہیں کیا جا سکتا تھا۔ مگر جب ان خرابیوں میں مزید
اضافہ ہوا۔ سندھ کے حالات اور زیادہ بگڑے تو عوام
میں اور خصوصاً سندھ کے لوگوں میں بے چینی کا اضافہ
ہونا لازمی تھا۔
بے نظیر نے اس خطرے کو بھی نظر انداز کر دیا کہ آمریت
پسند عناصر کی تلاش میں ہیں جیسے ہی انہیں ڈھیلا پائیں
گے ان پر حملہ آور ہوں گے۔ یہ سندھ کارڈ کھیلتی رہیں سندھ
میں قیام امن کے مسئلہ کو انہوں نے کبھی سنجیدگی سے نہیں لیا چنانچہ
ان کے مخالفین سندھ کارڈ کے جواب میں مہاجر کارڈ کھیل
گئے۔ سندھ میں حالات خراب ہوئے تو اخبارات میں اپیلیں
آنا شروع ہو گئیں جن میں صدر سے سندھ میں مداخلت کی
درخواست کی جاتی تھی۔ ایک علاقائی تنظیم نے سندھ
میں گورنر راج کے نفاذ کا مطالبہ کیا۔ یہ سب کچھ ہو رہا تھا
مگر بے نظیر مطمئن تھیں جب پنجاب کے ایک ایم۔ این۔ اے
نے مارشل لاء لگنے یا اسمبلیاں ٹوٹنے کے خدشے کا اظہار بے نظیر
سے کیا تو انہوں نے مذکورہ ایم این۔ اے سے کہا کہ بے فکر ہو کر
گھر بیٹھ جاؤ کچھ نہیں ہو گا۔ حد یہ ہے کہ قومی اسمبلی کے اسپیکر
ملک معراج خالد کے اس انتباہ کو بھی خاطر میں نہیں لایا گیا کہ
کسی بھی وقت کوئی بھی بڑا اقدام ہو سکتا ہے۔
بے نظیر حکومت پر کچھ الزامات ایسے سامنے آئے ہیں
جن کی وضاحت پیپلز پارٹی کی جانب سے آنا ضروری ہے
ایک الزام یہ ہے کہ پی پی کا ایک وزیر داخلہ اعتزاز احسن
اپنے دورہ بھارت میں خفیہ طور پر تین گھنٹے تک بھارتی خفیہ
ادارے "را" کے ہیڈ کوارٹر میں رہا اور پاکستانی سفارتخانے
کا عملہ اسے تلاش کرتا رہا۔ دوسرا الزام یہ ہے کہ بے نظیر حکومت
بھارت سے رابطوں کے لئے ڈاک کی ترسیل بھارتی سفارت
خانے کے ذریعے کرتی رہی جسے پاکستان فارن آفس نے بھی چیک
نہیں کیا۔ تیسرا اہم الزام بمبئی کے اخبار "دی ڈیلی" کی ایک
رپورٹ میں لگایا گیا ہے کہ پاکستان کی ایک اعلیٰ شخصیت
نے جولائی کے آخری ہفتے میں اپنا ایک ایلچی نئی دہلی بھیجا تھا
تاکہ وہ بھارتی وزیر اعظم سے یہ درخواست کرے کہ پاکستان
میں سیاسی جھگڑوں اور سندھ میں امن و امان کی بگڑتی ہوئی
صورتحال سے توجہ ہٹانے کے لئے بھارت، پاکستان میں
کسی نہ کسی قسم کی مداخلت کرے۔ رپورٹ کے مطابق یہ ایلچی
ایک انگریزی ہفت روزہ کا مدیر تھا ان کے دورہ نئی دہلی
کا بظاہر مقصد ایک بین الاقوامی کانفرنس میں شرکت کرنا تھا۔

بے نظیر بھٹو نے چودہ اسلامی ممالک کے دورے کر کے انہیں مسئلہ کشمیر پر پاکستان کا ہمنوا بنایا۔

حکومت کی بدعنوانی اور اقربا پروری کا چرچا عام ہو گیا
پاکستانی قوم کی اکثریت بے نظیر بھٹو پہ فریفتہ تھی مگر اس
طرح کی بدعنوانیوں کے منظر عام پہ آنے کے بعد جمہوری
لیڈروں پہ ان کا اعتماد متزلزل ہو گیا ہے

وہ ایک شخص بھلا کیسے معتبر ٹھہرے
کہ سازشوں کا ٹھکانہ بھی جس کا گھر ٹھہرے

اس میں کوئی شک نہیں کہ بے نظیر بھٹو کو بہت سی
خرابیاں ورثے میں ملی تھیں جن میں بدعنوانی سرفہرست
ہے مگر ان کے لئے ان برائیوں پہ قابو پانے کی بھرپور
سعی کرنا اس لئے ضروری تھا کہ وہ ایک منتخب حکومت
کی سربراہ تھیں۔ وہ عوام کا مینڈیٹ لے کر آئی تھیں عوام
ان سے کرپشن اور لا اینڈ آرڈر میں بہتری کی بجا طور پہ
توقع رکھتے تھے۔ جس سے سندھ کا صوبہ بری طرح
متاثر تھا۔ ہم نے اپنے کئی کالموں میں اس بات کی
نشاندہی کی تھی کہ سندھ وزیر اعظم بے نظیر کے لئے
ایک دہکتی ہوئی بھٹی ہے اگر وہ اس بھٹی کو ٹھنڈا کر کے
اس سے نکلنے میں کامیاب ہو گئیں تو کندن بن جائیں گی

مگر سفارتی ذرائع نے تصدیق کی ہے کہ اپنے چار روزہ دورے کے
موقع پر اس ایلچی نے بھارتی وزیر خارجہ اندر کمار گجرال اور
بھارتی وزیر اعظم وی۔ پی۔ سنگھ سے بطور صحافی نہیں
بلکہ پاکستان کی اس اعلیٰ شخصیت کے نمائندے کی حیثیت
سے ملاقات کی تھی انہوں نے مسٹر گجرال سے اپنی ڈیڑھ گھنٹے
طویل ملاقات میں پاکستان کی اس اعلیٰ شخصیت کو لاحق
خطرات سے آگاہ کیا۔ اس ملاقات میں بھارتی وزیر خارجہ
سے یہ کہا گیا کہ بھارت پاکستان پر فوجی حملہ کر کے پاکستانی
فوج کی توجہ پاکستان کے اندرونی مسائل سے ہٹا سکتا ہے
بھارت کو یقین دلایا گیا تھا کہ اس کے جواب میں پاکستان کشمیر
کے مسئلہ پر نرم رویہ اختیار کرے گا اور پنجاب سے دور رہے
گا اخبار کے مطابق بھارتی حکام نے مذکورہ تجویز پر اپنے
نقطہ نظر سے غور کیا اور اسے مسترد کر دیا۔

(روزنامہ جنگ ۹ اگست)

بے نظیر حکومت نے اس فوج سے اختلافات پیدا
کر لئے جو ان کے برسر اقتدار آنے میں مدد و معاون ثابت
ہوئی تھی۔ اس حقیقت سے کوئی باخبر پاکستانی انکار نہیں
کر سکتا کہ موجودہ جمہوری دور کی تشکیل میں مسلح افواج کے

چیف جنرل اسلم بیگ کی مثبت سوچ کا بہت بڑا دخل ہے ۱۷ اگست کے المیے کے اس تاریخی فیصلے نے جس میں انہوں نے طے کیا کہ ملک کی بقا جمہوریت میں ہے لہٰذا جمہوری عمل کو ہر صورت پروان چڑھایا جائے گا۔ بے نظیر کو سربراہِ حکومت ہونے میں بنیادی کردار ادا کیا اس کا اعتراف بے نظیر نے افواج پاکستان کو تمغہ جمہوریت دے کر کیا ہے ایسی تعاون پرور اور مددگار فوج سے بے نظیر حکومت کے اختلافات کو پیپلز پارٹی کی قیادت کی سیاسی کم مائیگی اور عدم تدبر سے ہی تعبیر کیا جائے گا۔

فوج سے بے نظیر حکومت کے اختلافات جنرلوں کی مدت ملازمت میں توسیع، پروموشن اور ٹرانسفر وغیرہ کے سلسلہ میں ہوئے۔ بے نظیر بھٹو جنرل (ریٹائرڈ) محمود کی مدت ملازمت میں، جو لاہور زون کے کور کمانڈر تھے توسیع کرنا چاہتی تھیں۔ جنرل اسلم بیگ اس کے حق میں نہیں تھے ان کا موقف تھا کہ کسی فوجی افسر کی مدت ملازمت میں توسیع نہ کی جائے حتیٰ کہ ان کی مدت ملازمت میں بھی نہیں کیونکہ اس طرح جونیئر افسروں کی ترقی کا حق مارا جاتا ہے یہ بات انصاف پر مبنی ہے۔

محترمہ بے نظیر بھٹو کو شاید معلوم نہ ہو کہ یہ فوجی ملازمت میں توسیع ہی تھی جس نے پاکستان کو اس حال پر پہنچایا ہے اگر جنرل ایوب خان کی مدت ملازمت میں توسیع نہ کی جاتی تو یہ طالع آزما جنرل ریٹائر ہو کر گھر بیٹھ گیا ہوتا اور پاکستان پہلے مارشل لاء کے سانحہ سے دوچار نہ ہوتا جس نے ایک طرف تو فوج کو سیاست میں دخیل کر دیا اور دوسری جانب سیاسی جمہوری عمل کے تار پود ایسے بکھیرے جو ابھی تک جڑنے کا نام نہیں لیتے۔ بھارت میں آج تک کسی فوجی افسر کی مدت ملازمت میں توسیع نہیں کی گئی یہاں تک کہ بھارت کے نقطہ نظر سے مشرقی پاکستان میں کامیاب فوج کشی کرنے والا جنرل مانک شا بھی اپنی سروسز میں ایکسٹینشن حاصل نہیں کر سکا۔

قطع نظر اس کے ملازمتوں میں توسیع سے حق تلفیاں جنم لیتی ہیں۔ فوج میں سیاست چل نکلتی ہے۔ اگر بینظیر بھٹو کے والد مرحوم ذوالفقار علی بھٹو کئی جنرلوں کا حق مار کر جنرل ضیاء الحق کو چیف آف آرمی اسٹاف نہ بناتے تو شاید ۵ جولائی ۷۷ء اور ۴ اپریل ۷۹ء کے حادثات جنم نہ لیتے۔ بھٹو مرحوم نے شاید یہ سوچا ہو کہ جنرل ضیاء الحق کو مسلح افواج کا سربراہ بنا کر وہ زیادہ محفوظ رہیں گے مگر محفوظ وہی رہتا ہے جسے اللہ محفوظ رکھے۔

مسئلہ کشمیر اور افغانستان پر بھی بے نظیر حکومت کے فوج سے اختلافات تھے بے نظیر جس طریقے سے کشمیر اور افغانستان کے معاملات کو لے کر چل رہی تھیں فوج اس سے مطمئن نہیں تھی لیکن فوج اور بے نظیر میں دوسرا بڑا اختلاف سندھ کے مسئلہ پر ہوا۔ سندھ میں امن وامان قائم کرنے کے لئے جنرل مرزا اسلم بیگ فوج کے دستے بھیجنے کے لئے تیار نہیں تھے وہ سمجھتے تھے کہ فوجیوں کی سرحدوں پر زیادہ ضرورت تھی مگر انہوں نے سابق وزیر اعظم بے نظیر کے زور دینے پر بادل نخواستہ فوجی دستے سندھ میں بھیج دیئے۔ سندھ کے شہروں میں فوجیوں کے آنے کے باوجود بھی پائیدار امن قائم نہ ہو سکا۔ فوج کا کہنا تھا کہ جب تک اسے عدالتی اختیارات نہیں ملیں گے وہ سندھ میں پائیدار امن قائم نہیں کر سکتی۔ وہ آئین کی دفعہ ۲۴۵ کے تحت اختیارات کی طلب گار تھی جبکہ بے نظیر بھٹو یہ اختیارات دینے پر رضامند نہیں تھیں معزول ہونے کے بعد انہوں نے ۹ اگست کو روزنامہ واشنگٹن پوسٹ کو انٹرویو دیتے ہوئے کہا۔

جنرل بیگ سے آخری ملاقات میں، میں نے ان سے کہا کہ مجھے حتمی طور پر بتایا جائے کہ فوج کو آخر کار کون سے مزید اختیارات درکار ہیں۔ انہوں نے کہا کہ میری مشکل یہ ہے کہ ہم جن لوگوں کو پکڑتے ہیں انہیں عدالتیں چھوڑ دیتی ہیں۔ میں نے جواب دیا کہ جنرل میری مشکل یہ ہے کہ اگر کوئی بے قصور پکڑا گیا وہ کہاں جائے گا۔؟

منطقی نقطہ نظر سے تو بے نظیر کی بات درست تھی لیکن انہیں فوج کے ہاتھوں ایک بے قصور کے پکڑے جانے کے ساتھ ساتھ ان سینکڑوں بے قصور اور بے گناہ لوگوں کے متعلق بھی سوچنا چاہئے تھا جو دہشت گردوں کے ہاتھوں سندھ میں مارے جا رہے تھے۔ مصدقہ رپورٹوں کے مطابق سندھ میں یکم جنوری ۹۰ء سے ۳۱ جولائی ۹۰ء تک ۱۷۸۱ افراد ہلاک اور ۲۴۹۱ زخمی ہوئے ہیں، ۷۶۵ افراد اغوا ہوئے اور ۱۰۶۲ ڈاکے پڑے۔ صوبے میں اغوا شدہ کی رہائی تاوان کے بغیر تقریباً ناممکن ہو گئی تھی۔ بے نظیر کو ذرا اس صورت حال کے ازالہ پر بھی غور کرنا چاہئے تھا اس کے بعد ان کی آئینی موشگافیاں اور بنیادی حقوق کی بات ان کے منہ پر سجتی۔

اگر آئین کی دفعہ ۲۴۵، اتنی ہی غیر جمہوری، غیر حقیقی اور بنیادی حقوق کے خلاف ہوتی تو اسے آئین میں جگہ نہ دی جاتی اسے آئین میں جگہ دینے والے خود ان کے والد محترم تھے وہ خود کتنا بنیادی حقوق کا پاس کرتے تھے یہ ہم سے زیادہ خود بے نظیر بھٹو جانتی ہیں۔ پھر اس آئینی دفعہ کی اہمیت و ضرورت کو کیوں محسوس نہیں کیا گیا۔ سندھ جیسے گمبھیر حالات کو قابو میں لانے کے لئے ہی اس دفعہ کو آئین میں رکھا گیا تھا۔ جب بے گناہ لوگ مر رہے ہوں تو وقتی طور پر مخصوص علاقوں میں بنیادی حقوق کی سلبی کو چنداں اہمیت نہیں دی جاتی۔ لیکن بقول شخصے فوج کو آئین کی دفعہ ۲۴۵ کے تحت اختیارات نہ دینے کی وجہ سے بنیادی حقوق کی سلبی نہیں بلکہ کچھ اور تقاضے تھے جن پر سے رفتہ رفتہ اب پردہ اٹھتا جا رہا ہے۔

بہر کیف محترمہ بے نظیر بھٹو کی وزارت عظمیٰ سے رخصتی نوزائیدہ جمہوریت کے لئے ایک دھچکا ضرور ہے۔ خاص طور سے واشنگٹن پوسٹ کی اس خبر کی روشنی میں کہ عبوری حکومت بدعنوانی کی تحقیقات کے مکمل ہونے تک انتخابات ملتوی کرنے پر غور کر رہی ہے۔ محاسبہ کا عمل ۸۷ روز میں مکمل ہونا مشکل ہے۔ نئے اٹارنی جنرل عزیز منشی انتخابات کو مزید ۳ ماہ کے لئے ملتوی کرنے کی غرض سے آئینی گنجائش کا جائزہ لے رہے ہیں۔ یہ بھی خبر سننے میں آئی ہے کہ عبوری دور میں شریعت بل پاس کر کے بے نظیر کے لئے اقتدار کا دروازہ ہمیشہ کے لئے بند کر دیا جائیگا۔ صدر اسحاق اس بل کی پہلے ہی توثیق کر چکے ہیں۔

بے نظیر حکومت اپنے بیس ماہ کے دور میں بحرانوں میں گھری رہی اس لئے وہ اپنی سیاسی سمت کا بھی تعین نہ کر سکی تاہم اسے یکسر ناکام حکومت نہیں کہا جا سکتا۔ قومی مالیاتی کمیشن کو قائم نہ کرنا اور مشترکہ مفادات کی کونسل کا اجلاس نہ بلانے کے اس پر الزامات بھی غلط ہیں اس لئے کہ قومی مالیاتی کمیشن کا قیام پانچ سال کی مدت کے لئے ہوتا ہے اور اس کی مدت ۲۵ جولائی ۹۰ء کو ختم ہوئی۔ مشترکہ مفادات کی کونسل کا معاملہ عدالت میں ہے اس لئے بے نظیر حکومت اس بارے میں کچھ نہیں کر سکتی تھی۔

بے نظیر صاحبہ نے اپنی حالیہ پریس کانفرنس میں الزام لگایا کہ انہیں اس وقت برطرف کیا گیا جب وہ سویڈن کے دورے پر جانے والی تھیں جہاں وہ لواری ٹنل کے لئے معاہدہ کرتیں اور کراچی کے لئے میٹرو اسکیم پر عملدرآمد کراتیں یہ بلاشبہ کراچی والوں کے لئے پی پی کی بڑی خدمت ہوتی جس سے نہ صرف پی پی کو محروم کیا گیا بلکہ کراچی والے بھی زیر زمین ریلوے کے نظام سے غیر معینہ مدت کے لئے تہی دامن ہو گئے

یہ بھی درست ہے کہ بے نظیر حکومت نے ملک میں پائے جانے والے افراط زر میں ۸ فیصد کی کمی کی اور دفاعی بجٹ میں ۵۰ فیصد کا اضافہ کیا جو بھارتی خطرہ کے پیش نظر بلاشبہ ایک مستحسن اقدام تھا۔ اس بات سے پتہ چلتا ہے کہ بے نظیر حکومت ملکی دفاع سے غافل نہیں تھی اور وطن عزیز کی سالمیت کو مقدم رکھتی تھی۔

بے نظیر بھٹو کی اس شکایت کو بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا کہ فوج دراصل جمہوری حکومت سے پاور شیئر کرنا چاہتی تھی ظاہر ہے کوئی بھی منتخب حکومت اس امر کے لئے

باقی صفحہ ۳۱ پر

کیا ۲۴ اکتوبر کو انتخابات ہوں گے؟

انتخابات کو احتساب کے نعرے کی نذر نہ کیا جائے

اگر ہم ۱۹۴۷ء سے پاکستان کی تاریخ پر غور کریں تو ہمیں پاکستان کے بننے کے چند سالوں کے بعد سے ہی اس جمہوری ملک میں جمہوریت کے بجائے آمریت اپنے مقصد میں پوری ہوتی نظر آتی ہے۔

لیاقت علی خان کی شہادت کے بعد سے یہ ملک آمروں کی نذر ہوتا چلا آرہا ہے جس میں کبھی ایوب خان کا مارشل لاء کبھی یحییٰ خان کا مارشل لاء اور کبھی ضیاء الحق کا مارشل لاء نظر آتا ہے اور کبھی جمہوریت کے روپ میں ایمرجنسی۔

عوام کے دباؤ کی وجہ سے جنرل یحییٰ خان کے دور میں پاکستان میں ملکی سطح پر پہلے انتخابات ۱۹۷۰ء میں انعقاد پذیر ہوئے جس میں ملک کی تمام سیاسی پارٹیوں نے بھرپور حصہ لیا۔ مشرقی پاکستان میں عوامی لیگ اور مغربی پاکستان میں پیپلز پارٹی دو بڑی پارٹیاں ابھریں۔ مشرقی پاکستان سے مجیب الرحمٰن اور مغربی پاکستان میں ذوالفقار علی بھٹو وزارت عظمیٰ کے امیدوار بن کر سامنے آئے۔ ملکی سطح پر اکثریتی پارٹی کی حیثیت سے عوامی لیگ کا حکومت بنانے کا حق بنتا تھا، مگر مغربی پاکستان کے سیاستدانوں خصوصاً ذوالفقار علی بھٹو کی وجہ سے مجیب الرحمٰن کو حکومت بنانے کا حق نہ دیا گیا جس سے مشرقی پاکستان میں علیحدگی پسندوں کو اپنے پروگرام کو عملی جامہ پہنانے کا موقع مل گیا۔ عوامی لیگ اور مکتی باہنی کی مدد سے ہندوستان نے مشرقی پاکستان پر حملہ کرکے

نام پر معرض وجود میں آنے والا ملک آمریت کی نذر ہوکر دولخت ہوگیا۔

جب مشرقی پاکستان، پاکستان سے علیحدہ ہوکر بنگلہ دیش بن گیا تو اس میں مجیب الرحمٰن برسر اقتدار آئے اور
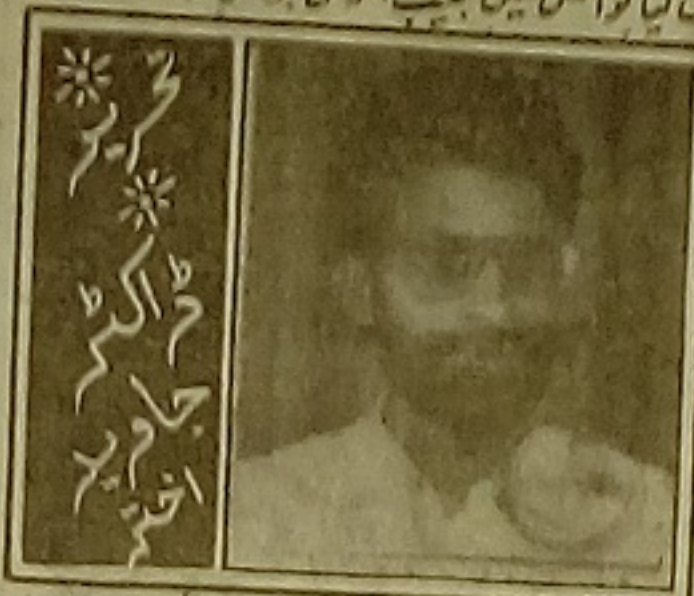
مغربی پاکستان جو کہ اب پاکستان تھا اس میں سول مارشل ایڈمنسٹریٹر کی حیثیت سے ذوالفقار علی بھٹو صدر بن گئے اس طرح مجیب الرحمٰن اور ذوالفقار علی بھٹو دونوں کی اقتدار میں آنے کی خواہش پوری ہوگئی اس موقع پر اگر یحییٰ خان صحیح فیصلہ کرتے اور اکثریتی پارٹی کو حکومت بنانے کا حق دے دیتے تو ملک کبھی دولخت نہیں ہوتا۔ پاکستان سے مشرقی پاکستان کی علیحدگی میں جہاں مشرقی پاکستان کے علیحدگی پسندوں، لسانیت پرستوں اور مکتی باہنی کا ہاتھ ہے وہاں پر پاکستان میں مسلسل جمہوری اداروں کی نفی اور مارشل لاء اور ایمرجنسی کے مسلسل نفاذ کا بھی دخل ہے۔ چونکہ پاکستان میں پہلی دفعہ ۲۴ سال کے بعد انتخابات عمل میں

ملک کی بنیادوں کو مضبوط بنادیتا۔

تاہم جب باقیماندہ پاکستان میں قومی اسمبلی نے کام شروع کیا تو اس جمہوری دور میں بہت سے اچھے فیصلے بھی ہوئے اس جمہوری دور میں قوم کو ۱۹۷۳ء کا ایک متفقہ دستور ملا قادیانیوں کو غیر مسلم قرار دیا گیا اور آئین میں مسلمان کی تعریف کو داخل کیا گیا وغیرہ وغیرہ۔

مارچ ۱۹۷۷ء میں ذوالفقار علی بھٹو نے آئین کے مطابق دوبارہ انتخابات کروانے کا اعلان کردیا پاکستان کی تاریخ میں یہ دوسرے عوامی انتخابات تھے جن میں تمام سیاسی پارٹیاں میدان میں آئیں اور انہوں نے انتخابات میں حصہ لیا۔ پیپلز پارٹی کے خلاف متحدہ اتحاد بنا جس کو قومی اتحاد کا نام دیا گیا جس میں پاکستان مسلم لیگ، جمعیت علماء پاکستان، پاکستان جمہوری پارٹی، تحریک استقلال، خاکسار تحریک، جماعت اسلامی، جمعیت علماء اسلام، عوامی نیشنل پارٹی اور نیشنل ڈیموکریٹک پارٹی وغیرہ کل نو جماعتیں شامل تھیں۔ قومی اسمبلی کے انتخابات وقت مقررہ پر پروگرام کے مطابق ہوئے مگر وہ منصفانہ نہ تھے اسلئے پاکستان قومی اتحاد نے پیپلز پارٹی پر دھاندلی کا الزام لگاکر انتخابات کے نتائج کو قبول کرنے سے انکار کرتے ہوئے صوبائی انتخابات کا بائیکاٹ
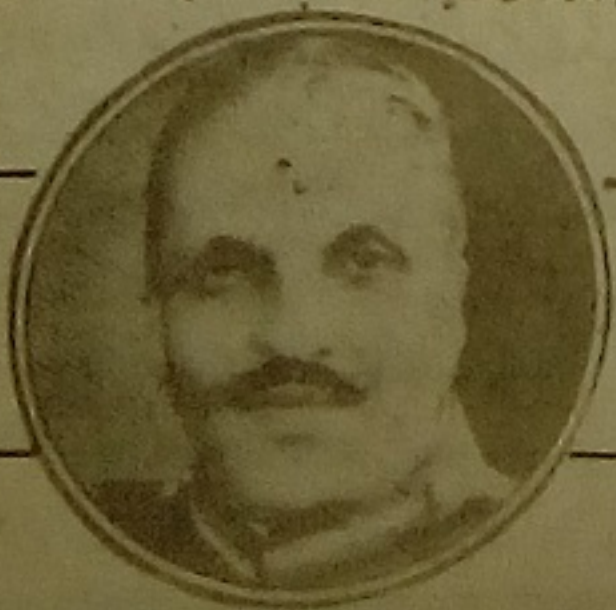
جمہوریت کا گلا گھونٹ کر ضیاء الحق نے مارشل لاء کا نفاذ کردیا

مشرقی پاکستان کو پاکستان سے علیحدہ کرکے بنگلہ دیش بنادیا۔ اسطرح جمہوریت اور اسلام کے

آئے تھے اگر قوم کے فیصلے کو تبدیل کرنے کی کوشش نہ کی جاتی تو ۱۹۷۰ء کے انتخابات میں دینے والا فیصلہ

کردیا، ۱۶ مارچ کو قومی اسمبلی کا پہلا اجلاس ہوا جس کا قومی اتحاد نے بائیکاٹ کیا اور ملک میں تحریک شروع کردی گئی انتخابات کے نتیجہ کے خلاف چلائی جانے والی یہ تحریک مولانا شاہ احمد نورانی کی جدوجہد سے نظام مصطفیٰ ﷺ کے نفاذ کی تحریک میں تبدیل ہوگئی،

قومی اتحاد اور پیپلز پارٹی کے درمیان مذاکرات کا دور شروع ہوا جن میں قومی اتحاد کی طرف سے مولانا مفتی محمود، پروفیسر غفور احمد اور نوابزادہ نصر اللہ خان تھے جبکہ پیپلز پارٹی کی طرف سے ذوالفقار علی بھٹو کوثر نیازی اور حفیظ پیرزادہ شامل ہوئے جب مذاکرات نتیجہ خیز ثابت ہونے شروع ہوئے اور انتخابات کے دوبارہ انعقاد پر قومی اتحاد اور حکومت میں سمجھوتہ ہوگیا تو جمہوریت کا گلا گھونٹ کر ضیاء الحق نے مارشل لاء کا نفاذ کردیا اور رات کے اندھیرے میں شب خون مار کر اقتدار پر قبضہ کرلیا جنرل ضیاء الحق صاحب نے اقتدار پر قبضہ کرنے کے بعد اللہ اور رسول ﷺ کو شاہد بنا کر قوم سے یہ وعدہ کیا کہ ۹۰ دن میں انتخابات کرا کر اقتدار قوم کے منتخب نمائندوں کے حوالے کردیا جائیگا اور فوج واپس چلی جائے گی انہوں نے انتخابات کی تاریخ ۱۶ اکتوبر ۱۹۷۷ء کا بھی تعین کردیا۔

لیکن پھر احتساب کا نعرہ لگا کر انتخابات کو ملتوی کیا جاتا رہا اور آمرانہ سیاسی ذہن رکھنے والی جماعتوں نے جو کہ ہمیشہ پاکستان کے عوام کے ساتھ دھوکہ کرکے اور آمروں کا سہارا لے کر اقتدار میں آتی رہی ہیں، خصوصاً جماعت اسلامی جس نے ہمیشہ پاکستان میں آمروں کا ساتھ دیا ہے ۔۔۔ اور چور دروازہ کے ذریعے حکومت میں شامل ہوتی رہی ہے اس نے ضیاء الحق حکومت کا ساتھ دینے کا فیصلہ کیا اس کے علاوہ پاکستان مسلم لیگ اور پی ڈی پی وغیرہ بھی ضیاء حکومت کا ساتھ دینے والوں میں شامل تھیں، ان جماعتوں نے اپنے افراد کو فوجی حکومت میں شامل کرکے ضیاء الحق کے اقتدار کو طول دینے کا موقع دیا، پھر اسی ملک پر مارشل لاء کی سیاہ رات مستقل طور پر چھاگئی سیاسی آزادی ختم ہوکر رہ گئی احتساب کے نام پر لوگوں کو بیوقوف بنایا گیا اور اسلام کی رٹ لگا کر اپنے اقتدار کو طول دیا گیا۔

جو لوگ کبھی جمہوریت کے ذریعے برسر اقتدار نہیں آسکتے تھے ان کو فوجی اقتدار میں شامل کرکے وزارتیں دی گئیں اور وہ سیاسی پارٹیاں جو آمریت کی پیداوار تھیں انہوں نے اس حکومت کو دوام بخشی نوے دن کا وعدہ مہینوں اور پھر سالوں میں تبدیل ہوتا گیا، ۱۹۸۳ء میں بحالی جمہوریت کی تحریک چلی تو اسی کو طاقت کے ذریعہ کچل دیا گیا اور ضیاء الحق نے چند وڈیروں اور سرداروں کے ذریعے اپنے اقتدار کو جاری رکھا جب قوم کی طرف سے انتخابات کا مطالبہ زور پکڑ گیا تو ۲۵ فروری ۱۹۸۵ء کو غیر جماعتی انتخابات

مشرقی پاکستان کی علیحدگی کے بعد بھٹو کی اقتدار میں آنے کی خواہش پوری ہوگئی

کروانے کا اعلان کیا گیا اس انتخابات میں لوگ دولت، برادری اور لسانیت کے زور پر منتخب ہوکر ایوان میں پہنچے تو پھر اس غیر جماعتی ایوان کے اراکین کو بھاری رشوتیں اور پلاٹ اور پرمٹ دیکر مسلم لیگ کے نام سے جماعتی ایوان میں تبدیل کردیا گیا، جناب محمد خان جونیجو کو وزیراعظم نامزد کیا گیا اسطرح مارشل لاء کے سائے میں ایک دفعہ پھر جمہوری حکومت نے کام کرنا شروع کردیا۔

۳۰ دسمبر ۱۹۸۵ء کو مارشل لاء ختم کرنے کا اعلان کیا گیا لیکن صدر پاکستان جنرل ضیاء الحق نے چیف آف آرمی اسٹاف کا عہدہ بھی اپنے پاس رکھا اور ۱۹۷۳ء میں متفقہ طور پر منظور ہونے والے دستور میں اپنی مرضی کے مطابق تبدیلیاں کرکے قومی اسمبلی سے منظور کروایا جو آٹھویں ترمیم کے نام سے مشہور ہے اس ترمیم سے صدر کو یہ اختیار حاصل ہوا کہ وہ جب چاہے اسمبلیاں توڑ کر ایمرجنسی نافذ کردے انہی اختیارات کو استعمال کرتے ہوئے ضیاء الحق نے ۲۹ مئی ۱۹۸۷ء کو جونیجو حکومت کو برطرف کیا تھا اور اسمبلیاں توڑ دی تھیں اور اسطرح خود اپنے ہاتھوں بنائی ہوئی اسمبلی کو اپنے ہی قلم سے ختم کردیا۔ اور ایک دفعہ پھر ایمرجنسی نافذ کرکے ۱۶ نومبر ۱۹۸۸ء کو انتخابات کے انعقاد کا اعلان کیا اور جو عبوری کابینہ تشکیل دی اس میں اکثر وہی لوگ تھے جن پر کرپشن کے الزامات لگا کر اسمبلی توڑی گئی تھی اسطرح انہوں نے اپنی طرف سے لگائے گئے الزامات کی خود ہی تردید کردی۔

اس طرح وہی لوگ جو اسمبلیوں کے ہوتے ہوئے وزیر تھے اسمبلی ٹوٹنے کے بعد بھی اپنی کرسی پر قائم رہے ایک دفعہ پھر احتساب اور اسلام کا نعرہ لگایا گیا ۱۷ اگست کو ضیاء الحق ایک فضائی حادثے میں ہلاک ہوگئے اور غلام اسحاق خان نے قائم مقام صدر کے عہدے کا حلف اٹھالیا ۱۶ نومبر ۱۹۸۸ء کو انتخابات ضیاء الحق کے غیر جماعتی انتخابات کے فیصلہ کو تبدیل کرکے جماعتی بنیادوں پر کروائے گئے جس میں ایک دفعہ پھر تمام پارٹیوں نے حصہ لیا پیپلز پارٹی کے مقابلے میں ملک میں ۹ پارٹیوں نے آئی جے آئی کے نام سے اتحاد قائم کیا اور الیکشن لڑا مگر پیپلز پارٹی اکثریتی جماعت کی حیثیت سے سامنے آئی اور آئی جے آئی کی مخالفت کے باوجود صدر نے پیپلز پارٹی کی شریک چیرپرسن بے نظیر بھٹو کو حکومت بنانے کی دعوت دی اور اس طرح مرکز میں پیپلز پارٹی صوبہ پنجاب بلوچستان میں آئی جے آئی اور سندھ و سرحد میں پیپلز پارٹی نے حکومت بنائی اس طرح ایک ہی وقت میں مختلف صوبوں میں مختلف ذہن رکھنے والی پارٹیاں برسر اقتدار آئیں۔

پنجاب میں نواز شریف برسر اقتدار آئے پیپلز پارٹی اور آئی جے آئی کے درمیان رسہ کشی شروع ہوگئی اور دونوں نے ایکدوسرے کو نیچا دکھانے اور گرانے کا کام شروع کردیا اور ایکدوسرے کی

باقی صفحہ ۱۹ پر

مقبوضہ کشمیر میں بھارتی جبر اور تسلط کے خلاف نبرد آزما آزادی کی جنگ لڑنے والے تین مجاہد آزادی سری نگر سے راولپنڈی پہنچے تو اسلام آباد بیورو نے ان سے مقبوضہ کشمیر کے حالات و واقعات پر طویل نشست کی۔ جس کی رپورٹ قارئین "احوال" کی خدمت میں پیش ہے۔

بھارتی فوجیوں کی درندگی

[illegible] روزہ زچہ کی آبروریزی

رپورٹ: اکرام الحق قریشی

نوجوان حریت پسند محمد فاروق نے مقبوضہ کشمیر کی صورتحال کو انتہائی کشیدہ اور نازک قرار دیتے ہوئے بتایا کہ حریت پسندوں کی سرگرمیاں بھارتی مظالم اور تشدد کے باوجود انتہائی منظم اور موثر ہیں۔ جموں و کشمیر لبریشن فرنٹ، حزب المجاہدین کے علاوہ پیپلز لیگ، مجاہدین بالاکوٹ اور ضیا ٹائیگرز منظم جدوجہد کے تحت آزادی کے لئے کام کر رہی ہیں۔ چھوٹی موٹی چالیس تنظیموں میں منزل کا تعین ہو چکا ہے اور ان میں آپس میں کوئی اختلاف نہیں۔ انہوں نے کہا "آزادی" نے کشمیر کے بچے، بوڑھوں، نوجوانوں اور خواتین پر بھی گہرے اثرات مرتب کئے ہیں۔ گلی کوچوں میں کھیلنے والے بچے فوج کو آتا دیکھ کر اب بھاگتے نہیں بلکہ کھڑے رہ کر آزادی کے نعرے بلند کرتے ہیں۔ یہ بڑی اہم تبدیلی رونما ہوئی ہے اور اس سے یہ بات نمایاں ہو رہی ہے کہ جلد یا بدیر مقبوضہ کشمیر بھارتی جبری تسلط سے آزاد ہو کر رہے گا۔ پرائمری اسکولوں کے طلبہ بستے رکھ کر فوجیوں پر پتھر برسانے میں خوشی محسوس کرتے ہیں۔

محمد فاروق نے ایک سوال کے جواب میں بتایا کہ میں پھل کی فروخت کا کاروبار کرتا ہوں۔ ایک مرتبہ کاروباری سلسلے میں دہلی جا کر اپنے ڈیلر سے ملا تو اس نے پھل لینے سے انکار کر دیا اور کہا کہ تم جاؤ۔ پاکستان جا کر پھل فروخت کرو۔ ہم لوگ تمہارے ساتھ کاروبار نہیں کر سکتے، تم بھوکے مرو۔ تمہارا کاروبار تباہ ہو اور باغات جل جائیں پھر تم کو پاکستان کی یاد نہیں آئے گی۔

نوجوان حریت پسند محمد ارشد نے احوال کے سوال کا جواب دیتے ہوئے کہا کہ مقبوضہ کشمیر میں کشمیر بنے گا خود مختار یا کشمیر بنے گا "پاکستان" کے موضوع پر کوئی جھگڑا نہیں بلکہ وہاں ان دونوں نعروں کو بلند کرنے پر قیادت نے پابندی عائد کر رکھی ہے اور صرف ایک ہی نعرہ ہے کہ آزادی ہے اور وہ ہے، آزادی اور صرف آزادی۔

ارشد نے بتایا کہ کشمیر کی تحریک آزادی میں وہاں کے ڈاکٹر، وکلاء، طلبہ، اساتذہ، نوجوان اور دیگر طبقے برابر کے شریک ہیں۔ خواتین نے جس جذبۂ حریت کا عملی مظاہرہ کیا وہ بڑا ہی قابل تحسین ہے۔ اگرچہ وہاں عورتوں کے لئے بڑے مسائل پیدا کر دیئے گئے ہیں ان کی عزت اور جان و مال محفوظ نہیں۔

بھارتی بزدل سپاہی گھروں میں داخل ہو کر خواتین کی بے حرمتی کرتے ہیں حال ہی میں چھان پورہ سری نگر میں ایسی خاتون کے ساتھ سو فوجیوں نے زیادتی کی جس نے تین دن قبل بچہ کو جنم دیا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ مسلمان خواتین بحالت مجبوری ذلت کی زندگی سے بچنے کے لئے مکانوں کی چھتوں سے چھلانگ لگا کر زندگی کا چراغ گل کر لیتی ہیں۔ بارہ مولا اور لال بازار میں ایسے سینکڑوں واقعات ہو چکے ہیں۔

گورنر نے دودھ اور پانی میں زہر ملا کر مسلمانوں کو اجتماعی موت مارنا چاہا، گھروں کی تلاشی کے نام پر لوٹ مار کی جاتی ہے۔ راشن کارڈوں پر درج مسلم ناموں سے گھروں میں تشدد کیا جاتا ہے کہ باقی درج افراد کہاں ہیں؟ مساجد میں اذانیں دینے پر پابندی عائد کر کے وہاں بھارتیوں نے تالے لگا دیئے ہیں۔ نمازیوں پر فائرنگ اور ان کی حراست معمول کا حصہ ہیں۔ تعلیمی ادارے مکمل بند ہیں۔ نومبر ۸۹ء کے امتحانات کے نتائج کا تاحال اعلان نہیں کیا گیا۔

تحریک آزادی کے جیالے محمد اشرف نے بتایا کہ مقبوضہ کشمیر میں تمام نظام درہم برہم ہو چکا ہے قانون اور ضابطہ نام کی کوئی شے موجود نہیں۔ تعلیمی ادارے اور سرکاری دفاتر فوجی کیمپ بن چکے ہیں۔ جموں و کشمیر پولیس سے اختیارات واپس لے کر فوج اور پیرا ملٹری فورس کو دے دیئے گئے۔ جو مسلمانوں پر بے پناہ تشدد کر رہے ہیں۔

اشرف کے بقول تمام ہندوؤں کو کشمیر سے نکال لیا گیا مگر ملازم ہندوؤں کو ان کی تنخواہیں گھر پر پہنچائی جا رہی ہیں۔ راشن بھی ان کے گھر پہنچ رہا ہے۔ اس کے علاوہ پانچ سو روپے کے حساب سے انہیں امداد بھی مل رہی ہے جبکہ مسلمان ایک وقت کی روٹی کو ترس رہا ہے۔ ملازمین کو دفاتر سے غیر حاضری پر معطل کر دیا جاتا ہے ایڈہاک ملازمین کو گزشتہ آٹھ ماہ سے اور مستقل مسلمان ملازمین کو چھ ماہ سے تنخواہ ادا نہیں کی گئی۔ غربت اور بھوک کا دور دورہ ہے مگر تحریک آزادی پہلے سے زیادہ موثر اور منظم ہو رہی ہے۔ بھارتی فوج میں اضافہ اور مسلمانوں کی نسل کشی سے بھی آزادی کی تحریک کو دبانا اب ممکن نہیں رہا کیونکہ ہر طرف ایک ہی نعرہ ہے جہاد اور آزادی۔

اشرف نے بتایا کہ بھارتی فوج چوغہ نما لباس سے ڈرتی ہے۔ اس کا خیال ہے کہ مسلمان اس لباس میں اسلحہ چھپا لیتے ہیں۔ اس چوغہ نما لباس پر پابندی عائد کر رکھی ہے مگر جو لوگ پہلے ایسا لباس نہیں پہنتے تھے انہوں نے بھی اب پہننا شروع کر دیا ہے۔ ایک سوال کے جواب میں انہوں نے بتایا کہ مقبوضہ کشمیر کا بچہ بچہ پاکستان کے لئے بے پناہ محبت رکھتا ہے۔ پاکستان کے تمام قومی تہوار بڑی عقیدت و احترام سے منائے جاتے ہیں پاکستان میں کوئی سانحہ رونما ہو تو وہاں صف ماتم بچھ جاتی ہے اور پاکستان کسی کھیل میں کامیابی حاصل کرے تو وہاں جشن منایا جاتا ہے۔ اشرف کے بقول جماعت اسلامی نے تحریک حریت کو ناکام بنانے کے لئے سازشیں شروع کر رکھی ہیں۔ اس جماعت نے بظاہر سیاسی برتری کے لئے کشمیر کے مسئلہ پر اشتہاری مہم کے ذریعے مداخلت کر کے مجاہدین کے لئے مسائل پیدا کر دیئے ہیں۔ اور اس سے تحریک حریت پر منفی اثرات مرتب ہو رہے ہیں۔

بھارتی فوجیوں کی درندگی

سہ روزہ زچّہ کی آبرو ریزی

رپورٹ، اکرام الحق قریشی

مقبوضہ کشمیر میں بھارتی جبر و تسلط کے خلاف نبرد آزما آزادی کی جنگ لڑنے والے تین مجاہد آزادی سری نگر سے راولپنڈی پہنچے تو اسلام آباد بیورو نے ان سے مقبوضہ کشمیر کے حالات، واقعات پر خصوصی نشست کی۔ جس کی رپورٹ قارئین احوال کی خدمت میں پیش ہے۔

نوجوان حریت پسند محمد فاروق نے مقبوضہ کشمیر کی صورتحال کو انتہائی کشیدہ اور نازک قرار دیتے ہوئے بتایا کہ حریت پسندوں کی سرگرمیاں بھارتی مظالم اور تشدد کے باوجود انتہائی منظم اور موثر ہیں۔ جموں و کشمیر لبریشن فرنٹ، حزب المجاہدین کے لئے پیپلز لیگ، مجاہدین بالاکوٹ، اور ضیا ٹائیگرز منظم جدوجہد کے تحت آزادی کے لئے کام کر رہی ہیں چھوٹی موٹی چالیس تنظیموں میں منزل کا تعین ہو چکا ہے اور ان میں آپس میں کوئی اختلاف نہیں۔ انہوں نے کہا کہ آزادی نے کشمیر کے بوڑھوں نوجوانوں اور خواتین پر بھی گہرے اثرات مرتب کئے ہیں۔ گلی کوچوں میں کھیلنے والے بچے فوج کو آتا دیکھ کر اب بھاگتے نہیں بلکہ کھڑے رہ کر آزادی کے نعرے بلند کرتے ہیں۔ یہ بڑی اہم تبدیلی رونما ہوئی ہے اور اس سے یہ بات نمایاں ہوتی جا رہی ہے کہ جلد یا بدیر مقبوضہ کشمیر بھارتی جبری تسلط سے آزاد ہو کر رہے گا۔ پرائمری اسکولوں کے طلبہ بستے رکھ کر فوجیوں پر پتھر برسانے میں خوشی محسوس کرتے ہیں۔

محمد فاروق نے ایک سوال کے جواب میں بتایا کہ میں پھل کی فروخت کا کاروبار کرتا ہوں۔ ایک مرتبہ کاروباری سلسلہ میں دہلی جا کر اپنے ڈیلر سے ملا تو اس نے پھل لینے سے انکار کر دیا اور کہا کہ تم جاؤ۔ پاکستان جا کر پھل فروخت کرو۔ ہم لوگ تمہارے ساتھ کاروبار نہیں کر سکتے، تم بھوکے مرو۔ تمہارا کاروبار تباہ ہو اور باغات جل جائیں پھر تم کو پاکستان کی یاد نہیں آئے گی۔

نوجوان حریت پسند محمد ارشد نے احوال کے سوال کا جواب دیتے ہوئے کہا کہ مقبوضہ کشمیر میں کشمیر بنے گا خود مختار یا کشمیر بنے گا پاکستان، کے موضوں پر کوئی جھگڑا نہیں بلکہ وہاں ان دونوں نعروں کو بلند کرنے پر قیادت نے پابندی عائد کر رکھی ہے اور صرف ایک ہی نعرے کی آزادی ہے اور وہ ہے، آزادی اور صرف آزادی۔

ارشد نے بتایا کہ کشمیر کی تحریک آزادی میں وہاں کے ڈاکٹر، وکلاء، طلبہ، اساتذہ، نوجوان اور دیگر طبقے برابر کے شریک ہیں۔ خواتین نے جس جذبۂ حریت کا عملی مظاہرہ کیا وہ بڑا ہی قابل تحسین ہے۔ اگرچہ وہاں عورتوں کے لئے بڑے مسائل پیدا کر دیئے گئے ہیں ان کی عزت اور جان و مال محفوظ نہیں۔

بھارتی بزدل سینا گھروں میں داخل ہو کر خواتین کی بے حرمتی کرتے ہیں حال ہی میں جہاں پورہ سری نگر میں ایسی خاتون کے ساتھ سولہ فوجیوں نے زیادتی کی جس نے تین دن قبل بچہ کو جنم دیا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ مسلمان خواتین بحالت مجبوری ذلت کی زندگی سے بچنے کے لیے مکانوں کی چھتوں سے چھلانگ لگا کر زندگی کا چراغ گل کر لیتی ہیں۔ بارہ مولا اور لال بازار میں ایسے بیسیوں واقعات ہو چکے ہیں۔

گورنر نے دودھ اور پانی میں زہر ملا کر مسلمانوں کو اجتماعی موت مارنا چاہا، گھروں کی تلاشی کے نام پر لوٹ مار کی جاتی ہے۔ راشن کارڈوں پر درج مسلم ناموں سے گھروں میں تشدد کیا جاتا ہے کہ باقی درج افراد کہاں ہیں؟ مساجد میں اذانیں دینے پر پابندی عائد کر کے وہاں بھارتیوں نے تالے لگا دیئے ہیں۔ نمازیوں پر فائرنگ اور ان کی حراست معمول کا حصہ ہیں۔ تعلیمی ادارے مکمل بند ہیں۔ نومبر ۸۹ء کے امتحانات کے نتائج کا تاحال اعلان نہیں کیا گیا۔

تحریک آزادی کے جیالے محمد اشرف نے بتایا کہ مقبوضہ کشمیر میں تمام نظام درہم برہم ہو چکا ہے قانون اور ضابطہ نام کی کوئی شے موجود نہیں۔ تعلیمی ادارے اور سرکاری دفاتر فوجی کیمپ بن چکے ہیں۔ جموں و کشمیر پولیس سے اختیارات واپس لے کر فوج اور پیرا ملٹری فورس کو دے دیئے گئے۔ جو مسلمانوں پر بے پناہ تشدد کر رہے ہیں۔

اشرف کے بقول تمام ہندوؤں کو کشمیر سے نکال لیا گیا مگر ملازم، ہندوؤں کو ان کی تنخواہیں گھر پر پہنچائی جا رہی ہیں۔ راشن بھی ان کے گھر پہنچ رہا ہے۔ اس کے علاوہ پانچ سو روپے کے حساب سے انہیں ادا بھی کی جا رہی ہے جبکہ مسلمان ایک وقت کی روٹی کو ترس رہے ہیں۔ ملازمین کو دفاتر سے غیر حاضری پر معطل کر دیا گیا ہے۔ اٹھارہ ہزار ملازمین کو گزشتہ آٹھ ماہ سے اور مستقل مسلمان ملازمین کو چھ ماہ سے تنخواہ ادا نہیں کی گئی ہے۔ غربت اور بھوک کا دور دورہ ہے مگر تحریک آزادی پہلے سے زیادہ موثر اور منظم ہو رہی ہے۔ بھارتی فوج سے انتقام اور مسلمانوں کی نسل کشی سے بھی آزادی کی تحریک کو دبانا اب ممکن نہیں رہا۔ کیونکہ ہر جانب ایک ہی نعرہ ہے جہاد اور آزادی۔

اشرف نے بتایا کہ بھارتی فوج جینز نما لباس سے ڈرتی ہے۔ اس کا خیال ہے کہ مسلمان اس لباس میں اسلحہ چھپا لیتے ہیں۔ اس جینز نما لباس پر پابندی عائد کر رکھی ہے مگر جو لوگ پہلے ایسا لباس نہیں پہنتے تھے انہوں نے بھی اب پہننا شروع کر دیا ہے۔ ایک سوال کے جواب میں انہوں نے بتایا کہ مقبوضہ کشمیر کا بچہ بچہ پاکستان کے لئے بے پناہ محبت رکھتا ہے۔ پاکستان کے تمام قومی تہوار بڑی عقیدت و احترام سے منائے جاتے ہیں۔ پاکستان میں کوئی سانحہ رونما ہو تو وہاں صف ماتم بچھ جاتی ہے اور پاکستان کسی کھیل میں کامیابی حاصل کرے تو وہاں جشن منایا جاتا ہے۔ اشرف کے بقول جماعت اسلامی نے تحریک حریت کو ناکام بنانے کے لئے سازشیں شروع کر رکھی ہیں۔ اس جماعت نے لفظی سیاسی برتری کے لئے کشمیر کے مسئلہ پر اشتہاری مہم کے ذریعے مداخلت کر کے مجاہدین کے لئے مسائل پیدا کر دیئے ہیں۔ اور اس سے تحریک حریت پر منفی اثرات مرتب ہو رہے ہیں۔

روپیہ تو آپ لوٹا سکتے ہیں

ہم شہیدوں کی جانیں نہیں لوٹا سکتے

بابری مسجد کی سروے رپورٹ

ہائی کورٹ سروے سے بھی ثابت ہو گیا کہ رام مندر کی بنیاد متنازعہ جگہ پر رکھی گئی تھی

بابری مسجد تنازعہ سے متعلق مقدمات کی سماعت کرنے والی ہائی کورٹ۔ بنچ کے حکم کے مطابق متنازعہ اراضی کے سروے کا کام بحسن وخوبی مکمل کر لیا گیا ہے ان سبھی ۲۳ پلاٹوں کی شناخت و پیمائش بھی ہو گئی ہے جنہیں سنی وقف بورڈ نے اپنے دعویٰ میں متنازعہ بتایا ہے جبکہ مدعا علیہ دھرم داس عدالت میں کہہ چکے ہیں کہ ان پلاٹوں کا کوئی وجود ہی نہیں ہے رام جنم بھومی کا دعویٰ کرنے والوں کی طرف سے بار بار کی دھاندلیوں اور مسلسل بے ضابطگی کی کوششوں کے باوجود اب یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ ۹ نومبر ۱۹۸۹ء کو جس جگہ وشو ہندو پریشد وغیرہ نے شلانیاس کیا تھا وہ متنازعہ پلاٹ ۵۸۶ کا ہی حصہ ہے نیز سابق و موجودہ وزراء داخلہ سردار بوٹا سنگھ اور مفتی محمد سعید کے پارلیمنٹ میں کئے ہوئے اعلانات اور ضلع مجسٹریٹ رام سرن شریواستو کا بابری مسجد ایکشن کمیٹی کو تحریری شکل میں دیا ہوا بیان کہ "شلانیاس متنازعہ جگہ پر نہیں کیا گیا تھا" سب پوری طرح گمراہ کن ہیں متنازعہ پلاٹ نمبر ۵۸۶ کی شناخت و تعین اور حقیقت کا انکشاف ہوتے ہی اجودھیا، فیض آباد اور قرب وجوار کے علاقوں میں زبردست سنسنی پھیل گئی ہے۔

مقامات کی نشاندہی اور کھدائی کے کام میں جہاں مقامی مسلمانوں نے جوش وخروش کا مظاہرہ کرتے ہوئے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ اجودھیا کے سادھوؤں کو یہ کہتے سنا گیا "کیا ہندوستان پر پھر مسلمانوں کی حکومت ہو گئی ہے کہ ان کی مرضی کے مطابق پیمائش اور سروے کا کام شروع ہو گیا!" سروے کے کام میں رام جنم بھومی کا دعویٰ کرنے والوں کی طرف سے رکاوٹ ڈالنے کی پوری پوری کوشش کی گئی خاص طور سے نرموہی اکھاڑے کے مہنت دھرم داس تو کسی بھی طرح یہ نہیں چاہتے تھے کہ سروے کا کام شروع ہو۔ وہ ہر قیمت پر سروے رکوانے پر تلے ہوئے تھے۔ سروے کا کام ۱۹ جولائی کو صبح ۸ بجے سے شروع ہونا تھا مگر ہندو وکلاء کا ۱۲ بجے تک کہیں پتہ نہ تھا۔ البتہ مہنت دھرم داس اور ان کے وکیل مسٹر رنجیت لال ورما صبح سے ہی وہاں موجود رہے جیسے ہی یہ خبر پھیلی کہ سرحد جہاں سے پیمائش شروع کی جانی تھی، مل گیا ہے سارے ہندو وکلاء دوڑے دوڑے آگئے

واضح ہو کہ سنی سنٹرل وقف بورڈ نے ۱۹۶۱ء میں مسلمانوں کی طرف سے ۲۳ پلاٹوں ۲۳۸ - ۵۸۹، ۵۸۰ - ۵۸۱ - ۵۸۲ - ۵۸۳ (جس پر بابری مسجد واقع ہے) ۵۸۴ - ۵۸۵ - ۵۸۶ (جہاں شلانیاس کیا گیا) ۵۸۷ - ۵۸۸ - ۵۹۰ - ۵۹۳ - ۵۹۴، ۵۹۵ - ۶۰۳ - ۶۰۶ - ۶۰۷ - ۶۱۰ - ۶۱۹ - ۶۲۰ - ۶۲۱ اور ۶۲۸ پر اپنا دعویٰ کیا تھا۔ یہ مقدمہ ریگولر سوٹ نمبر ۱۲ کی حیثیت رکھتا ہے اور لیڈنگ کیس ہے اس وقت پیمائش اس نقشے کے مطابق ہو رہی ہے جو مسلمانوں نے نزول کے نقشے کے طور پر پیش کر رکھا ہے۔

پیمائش کے لیے استعمال کی جانے والی جریب پر توجہ دینے سے پتہ چلا کہ اس میں ایک کڑی کم ہے جب مسلم وکلاء نے سروے کمشنر جے بی شریواستو کو اس طرف دھیان دلایا تو انہوں نے اپنی غلطی تسلیم کر لی لیکن کہا کہ پیمائش کا حساب لگاتے وقت اس کو شامل کر لیا جائے گا۔ لیکن بالآخر مسلمانوں کی جریب سے پیمائش کا کام ہوا۔ پیمائش کرتے وقت ایک اور دھاندلی کی کوشش یہ بھی کی گئی کہ سرحد کی بجائے ایک کنویں سے پیمائش کا کام شروع کر دیا گیا اور مسلم وکلاء سے کہا گیا کہ آپ لوگ بس دیکھتے رہیئے اس پر مسلمانوں کی طرف سے کہا گیا کہ ہم لوگ صرف دیکھنے کے لیے نہیں آئے ہیں بلکہ اس لیے آئے ہیں کہ صحیح پلاٹوں کی صحیح صحیح پیمائش ہو جائے اس لیے ہم چاہتے ہیں کہ پیمائش ضابطوں کے مطابق ہی ہو خواہ پیمائش اور سروے کے نتائج کسی کے بھی حق میں جائیں۔

۱۹ جولائی کو مسلمانوں کے لیے سب سے اہم کامیابی سرحد کا ملنا تھا۔ سروے کمشنر کا کہنا تھا کہ سرحد نہیں مل رہا ہے لیکن ظفر علی صدیقی ایڈووکیٹ (سلطان پور) نے کہا کہ کوشش ضرور کرنی چاہیئے بالآخر مقامی مسلمانوں کی نشاندہی اور کافی کھدائی کے بعد سرحد مل گیا سرحد وہ پتھر ہے جسے انگریزوں کے زمانہ میں پلاٹوں کے نقشے تیار کرتے وقت بطور نشان نصب کیا گیا تھا کہ بوقت ضرورت یہاں سے پیمائش کی جائے یہ پتھر بابری مسجد کے جنوب میں واقع ایک باغ کے اندر ملا۔ اور اس کے ساتھ ہی متنازعہ پلاٹ نمبر ۲۳۸ بھی مل گیا جو اجودھیا میں ہنٹی شاہ کے ٹیلے کے متصل جنوب مغرب میں واقع ہے۔

مسلمانوں کی طرف سے سینئر ایڈووکیٹ مسٹر عبدالمنان صاحب، جناب ظفریاب جیلانی ایڈووکیٹ مسٹر اشفاق احمد ایڈووکیٹ، آفتاب احمد صدیقی ایڈووکیٹ فیض آباد کے مسٹر شکیل الرحمن خان، مسٹر محی الدین صدیقی، مسٹر آفتاب احمد صدیقی، سید فرغان احمد، محمد ندیم صدیقی ایڈووکیٹ اور سلطانپور کے مسٹر ظفر علی صدیقی ایڈووکیٹ موقع پر موجود رہے اور ہندوؤں کی طرف سے مسٹر دیوکی نندن اگروال، مسٹر جولال مصرا، مسٹر وجیشور دویدی، مسٹر ایچ این تہری۔ اور آرایل ورما جب کہ حکومت کی جانب سے ایڈیشنل چیف اسٹینڈنگ کونسل مسٹر جگدیش بھلا موجود رہے۔

سروے کا کام تین دن میں پورا ہوا ہندوؤں اور مسلمانوں کی کافی بھیڑ اکٹھا رہی۔ دوران پیمائش ایک موقع پر ہندوؤں کے وکیل جناب دیوکی نندن اگروال نے مسلمانوں کے سینئر ایڈووکیٹ جناب عبدالمنان سے کہا اس تنازعہ کا حل ہم آپس

ہیں ان کو کیوں نہ نکال دیں۔ آپ لوگ جتنا چاہیں پیسے لے لیں اور اس مسجد کو کسی اور جگہ منتقل کر لیں یہ تو باتیں اصل میں ہم لوگ ہندوؤں سے کافی رقم رام مندر بنانے کے لیے لے چکے ہیں۔ اب ہمیں تو رام مندر بنانا ہی ہوگا۔ جواب میں عبدالمنان صاحب نے کہا ہم ہاشم پورہ اور ملیانہ سے بھاگلپور تک دس ہزار مسلمانوں کو قربانیاں دے چکے ہیں آپ نے تو روپے لیے ہیں اس کی رسیدیں دی ہیں رسیدوں کے مطابق آپ یہ روپیہ ہندو بھائیوں کو لوٹا سکتے ہیں لیکن جہاں تک بابری مسجد کا سوال ہے اس کے لیے مسلمانوں نے قربانیاں دی ہیں ہم ان شہیدوں کی جانیں نہیں لوٹا سکتے۔ چیران کا بابی ملکیت آپ کے حوالے کرنے والا میں کون ہوتا ہوں؟

سروے کے دوران ہندوؤں کی طرف سے مسلسل ایسی کوششیں کی جاتی رہیں جس سے سروے کے کام میں رکاوٹ آجاتے مگر مسلمانوں نے پورے صبر و ضبط کا مظاہرہ کیا اور کسی بھی بات سے مشتعل نہیں ہوئے سروے کے دوران یہ بھی محسوس کیا گیا کہ پیمائش کا کام کسی خاص مقصد کے تحت ۱۹ جولائی سے پہلے ہی کر لیا گیا تھا اور مسلم وکلاء کے سامنے محض خانہ پری کے لیے پیمائش کی جا رہی تھی لیکن ظفر علی صدیقی ایڈووکیٹ کی موجودگی نے جو مسلسل بچ رہے تھے ان کی ساری کوششوں پر پانی پھیر دیا آپ نے اپنی خوش اخلاقی سے ایک طرف ماحول کو بگڑنے نہیں دیا دوسری طرف پیمائش کا کام معقول ڈھنگ سے کرانے میں کامیابی حاصل کر لی۔

کیا ہندوستان پر پھر مسلمانوں کی حکومت ہوگئی ہے کہ ان کی مرضی کے مطابق پیمائش اور سروے کا کام ہو رہا ہے

پلاٹ نمبر ۵۸۶ کا رقبہ سب سے زیادہ یعنی ۱۱ بسوہ ۱۶/۵ بسوانسی ۲۱ دھر ہے اس پلاٹ کے مشرق میں ۲ ر لا کھا قطعہ زمین بھی ہے اس زمین کا کچھ حصہ مانس مندر کے جنوبی گیٹ تک جاتا ہے جس سے ظاہر ہو جاتا ہے کہ اس متنازعہ پلاٹ پر پہلے ہی لوگ قبضہ کر چکے ہیں۔ ہندوؤں کی طرف سے اس بات کی خاص طور سے کوشش کی گئی کہ کسی طرح پلاٹ نمبر ۵۸۶ کی پیمائش نہ ہونے پائے۔

سروے کے نتیجے میں حسب ذیل باتیں سامنے آئی ہیں۔

۱:۔ سنی وقف بورڈ نے جن ۲۳ پلاٹوں پر اپنا دعویٰ کیا ہے وہ سب موجود ہیں ان کی صحیح صحیح پیمائش بھی مل گئی۔

۲:۔ پلاٹ نمبر ۵۸۳ جس پر بابری مسجد واقع ہے ناپ کے مطابق پورا اترا۔

۳:۔ خواجہ رہی کا مزار (جسے ہندو کبیر ٹیلہ کہتے ہیں) اور قاضی کدہ کا مزار دونوں انہی ۲۳ پلاٹوں کے اندر واقع ہیں

۴:۔ ان پلاٹوں کی پیمائش کے دوران کافی تعداد میں مزارات بھی دیکھے گئے حالانکہ بہت سے مزارات کو توڑا بھی جا چکا ہے۔

۵:۔ پلاٹ نمبر ۵۸۶ جس پر شلانیاس ہوا تھا کا رقبہ کافی زیادہ ہے اس پر کئی ہندو مندر قبضہ جمائے ہوئے ہیں۔

۶:۔ بابری مسجد کے متصل قبروں کا پایا جانا اس بات کا کھلا ثبوت ہے کہ یہ سب زمینیں مسلمانوں کی ملکیت ہیں۔

عدالت بابری مسجد کیس کا فیصلہ کس کے حق میں کرتی ہے اس کا انحصار اس بات پر ہے کہ مسلمان اپنے ثبوت کتنے ٹھوس انداز میں اور صحیح ڈھنگ سے پیش کرتے ہیں۔ سروے رپورٹ اور چند دن قبل ہوئے فوٹوگرافی اور ویڈیو فلم سے حاصل ہونے والے ثبوت مسلمانوں کے حق میں ہیں لیکن ہندو وکلاء مقدمہ کی تیاری پر پورا زور صرف کئے ہوئے ہیں اس صورت میں مسلم وکلاء سے بھی امید کی جاتی ہے کہ وہ بھی پوری لگن اور محنت سے تیار کریں گے فیصلہ خدا کے ہاتھ میں ہے (شکریہ "نئی دنیا" نئی دہلی)

بقیہ۔ انتخابات

حکومت کے خلاف تحریک چلا دی۔

نومبر ۱۹۸۹ء میں بے نظیر کے خلاف عدم اعتماد کی تحریک پیش کی گئی مگر حزب اختلاف اس میں کامیاب نہ ہو سکی اسطرح اختلافات زور پکڑ گئے، آخر حزب اختلاف کے قائد جناب غلام مصطفیٰ جتوئی نے ایک دفعہ پھر اگست ۱۹۹۰ء میں ہونے والے اجلاس میں تحریک پیش کرنے کا اعلان کیا۔ جو اجلاس شریعت بل کی منظوری کے لئے بلایا جا رہا تھا جس میں یہ امکانات تھے کہ یہ بل منظور ہو جائے گا کیونکہ ملک کی تمام مذہبی پارٹیاں اس بل پر متحد ہو گئی تھیں تو صدر غلام اسحٰق خان نے اپنے پیش رو کے نقش قدم پر چلتے ہوئے وہی الزامات جو ضیاء الحق نے جونیجو پر لگائے تھے، لگاتے ہوئے اپنے ہی ہاتھوں سے بنائی ہوئی حکومت پر لگا کر اسمبلیاں توڑنے کا اعلان کر دیا اور انہی لوگوں کو اقتدار میں شامل کر لیا جو لوگ اس اسمبلی میں شامل تھے جسے کالعدم قرار دیا گیا ہے اور قائد حزب اختلاف غلام مصطفیٰ جتوئی کو وزیر اعظم نامزد کر دیا گیا اور ان ہی لوگوں کی اکثریت کو حکومت میں شامل کر لیا جو پہلے بھی کسی نہ کسی طریقے سے آمریت کا ساتھ دے کر آمروں کو دوام بخشتے رہے ہیں اور موجودہ حکومت نے بھی وہی نعرہ لگا دیا ہے جو ضیاء الحق نے لگایا تھا کہ "پہلے احتساب پھر انتخابات"

کہیں ایسا تو نہیں کہ یہ نعرہ پھر ایک دفعہ ملک کو مارشل لاء کی طرف لیجائے اور انتخابات کو ملتوی کرنے کا بہانہ بنے کیونکہ جتوئی صاحب نے بھی اپنی ترجیحات میں وہی چیزیں، احتساب، انتخابات اور نفاذ اسلام کو شامل کیا ہے۔ اور اس سے وہی بو آرہی ہے کہ جسطرح پہلے لوگ ملک میں انتخابات کو ملتوی کرواتے اور کسی نہ کسی طرح اقتدار میں حصہ دار بنے رہنے کا کام کرتے رہے ہیں کیونکہ آج پھر وہی لوگ دھڑا دھڑ اقتدار میں شامل ہو کر انتخابات سے پہلے احتساب کا نعرہ لگا رہے ہیں سابقہ تجربہ قوم کے سامنے ہے اور پرانا نعرہ بھی جس سے یہ خیال پیدا ہو رہا ہے کہ کہیں انتخابات ملتوی تو نہیں کر دیے جائیں گے اور ۲۴ اکتوبر ۱۹۹۰ء کو ہونے والا انتخاب کہیں ۷۸ دنوں کی بجائے ۷۸ ہفتوں ۷۸ مہینوں یا پھر سالوں میں تو تبدیل نہیں ہو جائیگا اور قوم ایک دفعہ پھر جمہوریت کی بجائے آمریت کے جال میں پھنس کر تاریکیوں میں تو نہیں ڈوب جائے گی اگر ایسا ہوا تو یہ پاکستان اور اسلام کیلئے زہر قاتل ثابت ہوگا اور پھر اس قوم کا شیرازہ خدانخواستہ بکھرنے سے کوئی نہیں روک سکے گا اسلئے نگراں وزیر اعظم اور صدر صاحب کو چاہیئے کہ وہ اپنا وعدہ پورا کرتے ہوئے ۲۴ اکتوبر کے انتخابات کا انعقاد ہر حال میں کروائیں اور اسکو احتساب کے نعرے کی نذر نہ ہونے دیں

حلف برداری سے پہلے جتوئی کو جی۔ایچ۔کیو بریفنگ کے لئے لے جایا گیا

۶ اگست ۱۹۹۰ء کو اسلام آباد میں دن کے بھرپور اجالے میں وہی کچھ ہوا، جس کی نشاندہی ہم احوال کے انہی صفحات پر گزشتہ کئی ہفتوں سے تواتر کے ساتھ کرتے چلے آرہے تھے۔ دیکھنے والوں نے یہ منظر بھی ملاحظہ فرمایا کہ منتخب جمہوری حکومت کی موجودگی میں مسلح افواج وزیراعظم ہاؤس، پارلیمنٹ ہاؤس، کیبنٹ ڈویژن، ریڈیو، ٹی وی اسٹیشن اور ٹیلیگراف کے دفاتر پر اچانک مستعد کھڑی دکھائی دیں، لوگوں نے صورتحال کا اندازہ لگا کر اخبارات کے دفاتر میں ان تبدیلیوں کے بارے میں جاننا چاہا مگر اس وقت تک بے نظیر بھٹو اپنے ہاؤس میں وزیراعظم کی حیثیت میں موجود تھیں ان کی اقامت گاہ کے اطراف بھی فوجی جوان پہنچ چکے تھے، انہوں نے اس غیر یقینی صورتحال پر صدر غلام اسحاق خان سے ٹیلی فون پر بات کی تو انہیں "سب خیریت" کی نوید سنائی گئی مگر اس وقت تک مستقبل کا اعلان کسی سے پوشیدہ نہیں رہا تھا سابق وزراء اور پارٹی قائد کے پاس پہنچ چکے تھے کہ وزیراعظم ہاؤس کے ٹیلی فون کی گھنٹی بجتی ہے وزیراعظم ریسیور اٹھاتی ہیں تو صدر مملکت انہیں اپنے آئینی اقدامات سے آگاہ کرتے ہی فون بند کر دیتے ہیں اور اس کے کچھ ہی دیر بعد صدر غلام اسحاق خان نے اپنے پیش رو کی تقلید کرتے ہوئے منتخب حکومت اور اسمبلی کو برطرف کر دیتے ہیں، دونوں صدور کی تقاریر اور چارج شیٹ کا انداز اور ماحول ایک جیسا تھا، بس فرق یہ تھا کہ جنرل ضیاء الحق نے سندھڑی کے محمد خان جونیجو کو اور غلام اسحاق خان نے لاڑکانہ کی بے نظیر بھٹو کو واپس ان کے گھروں کو لوٹا دیا دونوں مرتبہ صدور حضرات نے اپنے ہی بنائے ہوئے کھیل کو بگاڑا، عزت و احترام کے ساتھ مسند اقتدار پر لانے والوں کو بے آبرو کر کے نکال باہر کیا۔ دونوں مرتبہ ارکان اسمبلی کو کرپٹ اور نااہل قرار دیا گیا اور پھر مبینہ طور پر انہی بدعنوان عناصر میں سے بعض چہروں کو نگران حکومتوں میں شامل کیا جاتا رہا، یہ بات تو اب ہماری سیاست میں سرایت ہو کر روایات کا حصہ بن چکی ہے

ابتداء میں بات ہو رہی تھی جمہوریت کا گلا گھونٹنے کی، تو عرض ہے کہ صدر کی پریس کانفرنس کے فوری بعد سندھ کے سیاستدان غلام مصطفیٰ جتوئی کو حلف وفاداری کی تقریب سے پہلے جی۔ ایچ۔ کیو لے جایا گیا۔ بریفنگ کے بعد ان کو اسلام آباد لایا گیا جہاں رسم حلف وفاداری کی تقریب ہوئی۔ قبل ازیں دس بجے صبح میاں نواز شریف امریکہ کے سفیر متعین پاکستان اوکلے اور صدر غلام اسحاق خان سے تفصیلی گفتگو ہوئی۔ دوران گفتگو جنرل اسلم بیگ بھی موجود تھے۔

حلف وفاداری کی یہ تقریب کوشش کے باوجود پھیکی سی رہتی ہے کہیں بھی خوشی و طمانیت کے آثار ظاہر نہیں ہوتے اور نہ کسی کے ہاتھ تالی کے لئے اٹھتے ہیں اس طرح ملک کی جمہوری تاریخ کا یہ بڑا سانحہ ۶ اگست کو بعد سہ پہر اسلام آباد میں رونما ہوتا ہے اور اقتدار ایسے لوگوں کے ہاتھوں دے دیا جاتا ہے جنہیں عوام نے ۸۸ء کے انتخابات میں بری طرح سے مسترد کیا تھا۔

صدر مملکت غلام اسحاق خان اور وزیراعظم غلام مصطفیٰ جتوئی، دونوں نے پہلے احتساب پھر انتخاب کا بگل بجایا، سیاسی حالات پر کڑی نظر رکھنے والوں کا خیال ہے کہ دو ماہ کی مدت میں احتساب اور انتخابات ممکن ہی نہیں، ماضی میں بھی جنرل ضیاء الحق نے دو مرتبہ احتسابی عمل کا اعلان کیا اور پھر سات برس کے لئے نااہل قرار پانے والے بدعنوان لوگ شوریٰ کے لئے منظور نظر ٹھہرے اور اب کی بار بھی غالب امکان ہے کہ احتساب کے نام سے سیاسی مخالفین کو بلیک میل کر کے ان کی ہمدردیاں حاصل کرنے کی پوری پوری کوشش کی جائے گی غلام مصطفیٰ کھر اور جام صادق علی کی حالیہ حمایت بھی اسی کوشش کا پیش خیمہ ہے اور یہ سلسلہ ابھی جاری ہے غلام مصطفیٰ کھر اور جام صادق علی پیپلز پارٹی سے لوگوں کو توڑنے میں مصروف ہیں، دوسری جانب مسٹر کھر کی نگران کابینہ میں شرکت پر بھی لیگی سطح پر احتجاج جاری ہے، مسلم لیگ کے اندرونی اختلافات بھی بدستور موجود ہیں اور محمد خان جونیجو نے میاں نواز شریف کے مقابلے میں جنرل ضیاء الحق کے صاحبزادے اعجاز الحق کو اپنی سرپرستی میں لے رکھا ہے جو ابھی سے وزارت عظمیٰ سے کم کسی عہدے کے لئے آمادہ نہیں محمد خان جونیجو کا یہ اقدام بقول شاعر:

میر کیا سادہ ہیں بیمار ہوئے جس کے سبب
اسی عطار کے لونڈے سے دوا لیتے ہیں

"متبادل وزارت" میں شامل نہیں کیا اور یوں یہ ہری بھری کیاریاں میاں صاحب کے رشتہ داروں کے "بنگلوں" کی خوبصورتی میں اضافہ کر رہی ہیں۔ البتہ وزارت اعلیٰ سے مستعفی ہونے کے بعد ان کوٹھیوں کو پولیس فورس سے ضرور نجات حاصل ہو گئی ہے ورنہ تو کوئی "تگڑا آدمی" ان "بنگلوں" کے قریب سے گزرنے کی جرأت ہی نہیں کرتا تھا اب وہاں نہ تو پنجاب پولیس کے پہریدار ہیں اور نہ ہی پولیس کی گاڑیاں۔ اب صرف چوکیدار نظر آتے ہیں جو عام کپڑوں میں ملبوس ہوتے ہیں اور جنہیں دیکھ کر خوف بھی محسوس نہیں ہوتا۔

نگران وزیر اعلیٰ میاں غلام حیدر وائیں نے تادم تحریر اپنی کابینہ کا اعلان نہیں کیا۔ جس کا مطلب شاید یہ ہے کہ وہ سارے کام خود ہی کرنے پر تلے ہوئے ہیں۔ لطف کی بات یہ ہے کہ میاں اظہر کی طرح غلام حیدر وائیں نے بھی اپنی سیاسی زندگی کا آغاز "کونسلرشپ" سے کیا۔ ان کا تعلق میاں چنوں سے ہے۔ پہلے وہ میونسپل کمیٹی میاں چنوں کے کونسلر منتخب ہوئے۔ پھر چیئرمین بن گئے۔ یہیں سے ۸۵ء کے غیر جماعتی انتخابات میں انہوں نے لمبی چھلانگ لگائی اور پیر محمد اسلم بودلہ کے خاندان کے تعاون سے ایم پی اے منتخب ہو گئے۔ پنجاب اسمبلی میں پہنچنے کے بعد انہیں میاں نواز شریف کا قرب حاصل ہوا تو ان کا شمار میاں صاحب کے "وفادار ساتھیوں" میں ہونے لگا

اور یوں سابق صدر ضیاء الحق کی سرپرستی اور میاں نواز شریف کی قیادت میں انہوں نے صوبائی وزیر تعلیم کا قلمدان سنبھالا۔ اسی دور میں میاں صاحب نے انہیں پنجاب مسلم لیگ کے سیکرٹری جنرل کی ذمہ داری سونپ دی اور وہ ہنوز اس عہدہ پر فائز ہیں ۸۸ء کے جماعتی انتخابات میں وہ ایم این اے چنے گئے لیکن مرکز میں آئی جے آئی کی حکومت نہ بن سکی تو اعجاز ہے کہ میاں نواز شریف نے اپنے "مقرب ساتھی" کی حیثیت سے انہیں قومی اسمبلی میں رہنے دیا اور خود قومی نشستیں چھوڑ کر صوبے کی وزارت اعلیٰ کو مقدم سمجھا غلام حیدر وائیں نے قومی اسمبلی اور سی او پی میں "نواز لیگ" کی ترجمانی جاری رکھی۔ سیاسی مبصرین کے خیال میں انہیں "جونیجو لیگ" کے چوہدری شجاعت حسین کے رقیب کی حیثیت حاصل تھی کیونکہ میاں نواز شریف قومی اسمبلی کی اپوزیشن قیادت میں "جونیجو گروپ" کو اپنے گروپ سے متوازن رکھنا چاہتے تھے۔ عام تاثر یہ پایا جاتا ہے کہ وائیں سابق وزیر اعلیٰ پنجاب کے دست راست ہیں اور اب نگران وزیر اعلیٰ کی حیثیت سے ان کی نامزدگی بھی میاں نواز شریف کی خواہش پر ہی کی گئی ہے بہرحال نگران وزیر اعلیٰ اور گورنر کا سیاسی پس منظر کچھ بھی ہو اس وقت وہ پنجاب کے حکمران ہیں اور پنجاب کے عوام کی نگاہیں ان پر لگی ہوئی ہیں۔ میاں اظہر "شہری" اور غلام حیدر وائیں "دیہاتی" ہیں، توقع کی جانی چاہئے کہ دونوں حضرات شہر اور دیہات کے مسئلوں پر یکساں توجہ دیں گے۔ بہرحال یہ تو بعد کی باتیں ہیں۔ سردست انہوں نے اپنی "سرکاری مصروفیات" کا آغاز نگران وزیر اعظم مسٹر غلام مصطفےٰ جتوئی کے استقبال سے کیا ہے جو ۹ اگست کو لاہور آئے ہوئے تھے اور یہاں انہوں نے سابق وزیر اعلیٰ پنجاب موجودہ گورنر، نگران وزیر اعلیٰ اور متحدہ اپوزیشن کے دوسرے لیڈروں سے ملاقات کے ساتھ ساتھ آئی جے آئی کے اجلاس میں بھی شرکت کی جو ماڈل ٹاؤن میں میاں نواز شریف کی رہائش گاہ پر منعقد ہوا۔ جہاں انہوں نے آئی جے آئی

کو پنجاب کی آئی جی کی جگہ لا بٹھایا گیا [illegible] خصوصی چھٹی پر [illegible] انہوں نے [illegible] کہ ملک غلام مصطفےٰ کھر [illegible] انہیں [illegible] کی پالیسی [illegible] نے اپنے [illegible] انتخابات [illegible] ہوئے انہیں وفاقی وزیر [illegible] جماعت کے ایک [illegible] کے خلاف پنجاب پولیس نے ان کا مقدمہ درج [illegible] ماضی میں پیپلز پارٹی [illegible] سے بری الذمہ ہو گیا۔ اس سے قبل جب مسٹر جتوئی لاہور ایئرپورٹ پہنچے تو انہوں نے ایک پریس کانفرنس سے خطاب کیا اور اس بات کا اعادہ کیا کہ انتخابات ۲۴ اکتوبر کو ہی ہوں گے۔ احتساب کے عمل سے انتخابات پر کوئی اثر نہیں پڑے گا جب ان سے پوچھا گیا کہ کسی ایم پی اے کی بجائے ایم این اے غلام حیدر وائیں اور ہمایوں مری کو وزیر اعلیٰ کیوں بنا دیا گیا؟ پیپلز پارٹی لیڈروں کا انتقام لینے کے لئے ایسا کیا گیا ہے؟ تو انہوں نے کہا احتسابی عمل عدلیہ کی نگرانی ہو گا اس لئے وائیں اور مری کے وزیر اعلیٰ بننے سے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ لیکن مسٹر جتوئی کے "اس احتساب" نے عوام کو "تذبذب" میں مبتلا کر دیا ہے عام لوگوں کا خیال یہی ہے کہ احتساب کے نام پر انتقام لیا جائے گا۔ اور سابق وزیر اعظم بے نظیر بھٹو سمیت پیپلز پارٹی کے دوسرے لیڈروں کو نااہل قرار دے کر انہیں آئندہ انتخابات میں حصہ لینے سے روکا جائے گا۔ تاہم اس کے بارے میں حتمی طور پر ابھی کچھ نہیں کہا جا سکتا۔

ع جو کچھ بھی ہے جانتا ہے اللہ

●●

ملتان **اقبال فارانی**

ممتاز بھٹو کا دورہ ملتان

وہ کسی جوہر قابل کی تلاش میں ملتان آئے تھے

ابھی ڈیڑھ پونے دو سال قبل کی بات ہے کہ جناب ممتاز بھٹو کے بارے میں یہ خبر آئی تھی کہ سندھ کا یہ "عظیم لیڈر" اور ذوالفقار علی بھٹو کا "ٹیلنٹڈ کزن" صوبائی اسمبلی کی نشست پر بری طرح شکست کھا گیا۔ وہ نہ صرف اپنی "آبائی جاگیر" میں ملی ہوئی سندھی نشست کا تحفظ نہ کر سکا بلکہ ایک بہت ہی گمنام سیاسی کارکن نے اس کی ضمانت ضبط کرا دی۔

اور آج سندھ نیشنل فرنٹ کے لیڈر کے طور پر وہ ہمارے ملتان میں موجود ہے ہم سوچ رہے تھے کہ یا الٰہی یہ ماجرا کیا ہے کہ جو شخص خود کو سندھی قوم پرستی کی تحریک کا "سمبل" قرار دے رہا ہے وہ پورے پاکستان کو اپنے نقش قدم پر چلنے کی دعوت دے رہا ہے۔ وہی ممتاز جنہیں جیسے سندھ کے عوام نے قطعی طور پر مسترد کر دیا تھا [illegible] ادیوں کو ملتان میں سندھی وڈیروں

کے انداز کی سیاست کرنے والے چند "چھو ٹیروں" کو بھی قوم پرستی کے جراثیم نے راتوں رات تنگ کیا۔ اور وہ سرائیکی قوم کے لیڈر بن گئے "بیٹھے بٹھائے"۔

یہ مارشل لاء کا زمانہ تھا جب آمر مطلق جنرل ضیاء الحق نے ملک کو گیارہ یا تیرہ صوبوں میں تقسیم کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا اور وہ چاہتا تھا کہ کسی پلیٹ فارم سے ان صوبوں کے حق میں مطالبہ کیا جائے اور لوگ صوبوں کی مانگ کریں۔ ایسے میں ملتان سے قاری نور الحق قریشی سامنے آئے وہ اپنے خاندانی پس منظر کے اعتبار سے قاضی احسان احمد شجاع آبادی مرحوم کے داماد ہیں جو ایک بڑے احراری لیڈر تھے اور بانیٔ مجلس احرار سید عطاء اللہ شاہ بخاری مرحوم کے منظور نظر بھی۔

سیاسی طور پر قاری صاحب مفتی محمود مرحوم کی جمعیت علماء اسلام کے کارکن تھے۔ جمعیت علماء اسلام پنجاب کے جنرل سیکرٹری بھی رہے۔ اور پھر سیاسی اختلافات یا ذاتی وجوہ کی بناء پر جمعیت سے الگ ہو گئے اور مارشل لاء کے دنوں میں سرائیکی صوبہ محاذ" بنا کر نئے صوبے کے لیے کام شروع کیا ادھر جنرل ضیاء الحق نے صوبہ سازی کا منصوبہ کچھ مؤخر کر دیا۔ اس طرح قاری صاحب اور ان کے چند ہم نوا اپنے پروگرام میں کامیاب نہ ہوئے۔ ہم نے ایک بات بلکہ اہم بات تو آپ کو بتائی ہی نہیں کہ قاری صاحب پیشے کے لحاظ سے وکیل ہیں اور قصبہ کروڑ پکا سے تعلق رکھنے کے باوجود ملتان شہر میں پریکٹس کرتے ہیں اور کئی بار ڈسٹرکٹ بار ایسوسی ایشن کے صدر سیکرٹری وغیرہ چنے گئے اسی کروڑ پکا کی ایک اور شخصیت تاج محمد لنگاہ بھی ملتان بار میں پریکٹس کرتی ہے لنگاہ صاحب ایک زمانے میں سرائیکی یا اسی قسم کی قومیتوں کے فلسفے کو نام نہاد قرار دیا کرتے تھے۔ وہ اس وقت خود کو پورے پاکستان کا لیڈر خیال کرتے تھے۔ "ولایت" سے بار ایٹ لا کر کے آئے تھے ۱۹۶۸ء میں سیاست میں بھی حصہ لینے لگے۔ اور پیپلز پارٹی کو اپنی پارٹی کے طور پر چن لیا۔ لنگاہ صاحب کی خوبی یہ ہے کہ یا تو کسی کے ساتھ چلتے نہیں یا پھر کسی کو اپنے ساتھ چلنے نہیں دیتے۔ وہ ۱۹۷۰ء میں کہا کرتے تھے کہ ذوالفقار علی بھٹو میں اور تاج لنگاہ میں کیا فرق ہے۔ دونوں بار ایٹ لا ہیں دونوں نوجوان ہیں اور دونوں ہی جاگیردارانہ پس منظر رکھتے ہیں یہ

ایسا محسوس ہوتا ہے کہ کوئی بین الاقوامی طاقت ایک بار پھر سرگرم عمل ہے۔

ان دنوں ہی کی بات ہے کہ ملتان ڈسٹرکٹ بار کا انتخاب آ گیا۔ چونکہ پیپلز پارٹی سوشلزم کا نام رکھتی تھی اسی لیے سوشلسٹوں اور اسلام پسندوں کے مابین زبردست محاذ آرائی ہو رہی تھی اور کسی بڑے تصادم کے لیے صف آرائی زور و شور سے جاری تھی ملتان بار کے لیے خاکسار رہنما جناب محمد اشرف خان صاحب صدارت کے امیدوار تھے ان کے مقابلے میں جماعت اسلامی کے ایک نامزد امیدوار میدان میں آئے۔ عام خیال تھا کہ دونوں کے درمیان زبردست معرکہ آرائی ہو گی۔ لیکن عین آخری دن ایک اور امیدوار نے بھی کاغذات نامزدگی داخل کرا دیئے یہ تھے تاج محمد لنگاہ صاحب پھر کیا تھا بار کے بڑے بڑے وکیلوں نے منتیں کیں۔ پیپلز پارٹی اور دوسرے "روشن خیال" دھڑوں کے رہنماؤں نے ترلے پائے کہ جناب تاج صاحب آپ ہمارے حال پر رحم کھائیں آپ کی جیت کے امکانات سرے سے ہی غائب ہیں آپ خود تو جیت نہیں سکیں گے۔ دس بیس ووٹ جو آپ کو ملیں گے وہ اشرف خان صاحب کی شکست کا باعث بنیں گے۔ اس لیے آپ انتخاب کے پھڈے میں ٹانگ نہ ہی اڑائیں تو بہتر ہے۔ لیکن انہوں نے کسی ایک کی نہ سنی اور میدان انتخاب میں آخری دم تک ڈٹے رہے نتیجہ وہی ہوا جناب تاج صاحب کو شاید ۳۲ ووٹ ملے اور اشرف خان دو دو ووٹوں سے ہار گئے۔ جماعت اسلامی دو ووٹوں سے جیت گئی۔

ہم نے یہ پس منظر جان بوجھ کر نہیں بلکہ تعارفی جملوں کے طور پر بیان کیا۔ پھر ایک وقت وہ بھی آیا جب وہ ۱۹۷۰ء میں پارٹی ٹکٹ نہ ملنے کی وجہ سے پیپلز پارٹی چھوڑ رہے تھے کہ مسٹر بھٹو نے انہیں ممتاز دولتانہ کے سامنے لا کھڑا کیا یہ بات بتانے کی نہیں بلکہ تاریخ کا ایک حصہ ہے کہ ۱۹۷۰ء

کے انتخابات میں قادیانی جناب بھٹو کے "شیدائی" تھے انہوں نے "بھٹو کو ووٹ دو، بھٹو کو نوٹ دو" کی انتخابی مہم چلائی اس جماعت کا موجودہ سربراہ ملتان ڈویژن میں انتخابی مہم کا انچارج تھا ممتاز دولتانہ کے ساتھ قادیانیوں کو رنج اور بغض ہے وہ ۱۹۵۳ء کی تحریک تحفظ ختم نبوت میں دولتانہ کو ملوث کرتے ہیں کہ وہ پنجاب کے وزیر اعلیٰ تھے اور وزیر اعظم بننے کے لیے ملک میں یہ تحریک منظم کر رہے تھے۔ بہرحال ہم تو یہ بتا رہے ہیں کہ ملتان ڈویژن میں (جو اس وقت ڈیرہ غازیخان ڈویژن اور ادکاڑہ کو بھی اپنے اندر رکھتا تھا) پیپلز پارٹی کی انتخابی مہم کو قادیانی جماعت کا موجودہ سربراہ ناصر احمد منظم کر رہا تھا اور دولتانہ کے مقابلے میں تاج صاحب کی انتخابی مہم میں قادیانیوں نے پورے وسائل جھونک دیئے لیکن وہ پندرہ ہزار ووٹوں کی اکثریت سے جیت گیا۔ اس طرح تاج صاحب ہار گئے۔ پھر انہوں نے پارٹی کے اندر کروڑ پکا ہی سے تعلق رکھنے والے پارٹی کے مرکزی ڈپٹی سیکرٹری جنرل اور وفاقی وزیر سید ناصر رضوی کے خلاف آواز بلند کی۔ دونوں طرف سے ایسے ایسے الزامات سننے میں آئے جو لکھنے لکھانے میں آ ہی نہیں سکتے۔ اور پھر تاج صاحب مختلف محکموں کے وکیل بنائے گئے۔ غالباً اسسٹنٹ ایڈووکیٹ جنرل بھی بنائے گئے اور پھر پیپلز پارٹی سے الگ ہو کر خورشید حسن میر کے ساتھ اپنی جمہوری پارٹی بنا ڈالی۔ پھر اسے چھوڑا پھر یاد نہیں کس کس کو چھوڑا اور وہ اس شعر کی تصویر بن گئے۔

کس نے کس حال میں چھوڑا تھا وفا کا دامن
کس نے مجبور کیا؟ کس نے پذیرائی کی؟

ماضی کے یہ قصے بہت طویل ہیں یہ حکایتیں اتنی لذیذ ہیں کہ قیامت تک بھی زمانہ گوش بر آواز رہے تو اکتائے گا نہیں لیکن ہم تو چلے تھے ممتاز بھٹو کے بارے میں بات کرنے اور پہنچ گئے تاج لنگاہ صاحب تک اور درمیان میں آ گئے جناب قاری نور الحق قریشی تو یہ ہماری مجبوری تھی کیونکہ ان دونوں کے بغیر بات ادھوری تھی۔

پھر یوں ہوا کہ جب قاری صاحب نے مارشل لاء کے دور میں سرائیکی صوبہ محاذ بنایا تو شروع شروع میں وہ تنہا تھے۔ ان دنوں تاج محمد لنگاہ سرائیکی یا اسی قسم کی دوسری قومیتوں کے بارے میں واضح

نہیں تھے۔ پھر ایک سہانی صبح اخبارات یہ خبر لائے کہ تاج صاحب بھی صوبہ محاذ میں شامل ہو گئے ہیں۔ ملتان کے جواں سال دانشور زمان جعفری بھی وہاں پہنچ چکے تھے۔ لیکن جناب تاج صاحب نے دیکھتے ہی دیکھتے سب کو آگے لگا لیا۔ پہلے تو صوبہ محاذ پر گرفت مکمل کی قابل ذکر دو تین رہنماؤں کو نکال باہر کھڑا کیا، یا پھر وہ تاج صاحب کے ساتھ نہ چل سکے۔ اس طرح وہ سرائیکی صوبہ محاذ کے بلا شرکت غیرے لیڈر بن گئے۔

پھر انہوں نے محاذ کو سرائیکی پارٹی میں بدل دیا اور خود اس کے سربراہ بن گئے۔ اسی دوران میں سرائیکی کے لیے کام کرنے کے دعویداروں کی بہت سی چھوٹی موٹی دوسری تنظیمیں بھی میدان میں آ گئیں اور ایک علاوہ سرائیکی قومی محاذ بھی تشکیل پا گیا۔ جس میں ۱۱ تنظیمیں شامل ہیں۔ سرائیکی پارٹی سے نکلے ہوئے یا نکالے گئے ایک رہنما جناب شاہین صاحب نے دعویٰ کیا ہے کہ ممتاز بھٹو سمیت سندھ اور بلوچستان کے قوم پرست رہنماؤں کو مل بیٹھنے کی دعوت انہوں نے دی تھی۔ (شاہین صاحب آج کل سرائیکی قومی موومنٹ چلا رہے ہیں) لیکن ان کی کوشش کو تاج محمد لنگاہ صاحب لے اڑے اور ممتاز بھٹو کو ملتان اور ڈیرہ غازیخان ڈویژنوں کے دورے کی دعوت دے دی۔ شاہین صاحب نے یہ بھی کہا کہ "ہماری پارٹی کا خیال تھا کہ بلکہ الائنس کا فیصلہ تھا کہ سندھی قوم پرستوں اور سرائیکی رہنماؤں کے درمیان کئی امور متنازعہ ہیں مثال کے طور پر وہ کالا باغ ڈیم کی بات کرتے ہیں جسے سندھی قوم پرست اپنے مفاد کے خلاف تصور کرتے ہیں جبکہ سرائیکی رہنما اسے علاقہ کے لیے ضروری جانتے ہیں اسی طرح صوبوں کی حدود کا مسئلہ ہے ان کا خیال تھا کہ پہلے بلوچستان، سندھ اور سرائیکی علاقے سے تعلق رکھنے والے رہنما مل بیٹھ کر بات کریں اور کسی نتیجہ پر پہنچ کر مشترکہ جدوجہد کے لیے لائحہ عمل مرتب کریں۔ اس مقصد کے لیے انہوں نے رہنماؤں کو خطوط بھی لکھ دیئے تھے۔ لیکن یہ سارا پروگرام تاج صاحب نے اچک لیا۔

جو بھی ہو شاہین صاحب جانیں اور تاج صاحب ہم تو بتا رہے تھے کہ گزشتہ ہفتے ممتاز بھٹو ملتان آئے انہوں نے ملتان شہر میں دس بارہ مواقع پر خطاب کیا لیکن صرف ایک بات بار بار دہرائی۔ ان کا کہنا ہے کہ اب پاکستان میں وفاقی طرز حکومت ناکام ہو گیا ہے۔ اس لیے علاقائی پارٹیوں کی ضرورت ہے قومی سیاست نہیں چل سکتی۔ تو وفاق بھی نہیں چل سکتا۔ مختلف علاقوں کو خود مختار ریاستوں کی شکل دے کر ایک کنفیڈریشن بنالی جائے۔ وہ بھی خود مختار ریاستوں کی مرضی ہوئی تو بنے گی ان کی سوچ کی سوئی تو ایک عرصہ سے اسی ایک نقطے پر رکی ہوئی ہے اور اب فرق صرف یہ پڑا ہے کہ وہ سندھ سے نکل کر سندھ کے ساتھی علاقے ملتان، بہاول پور اور ڈیرہ غازیخان میں اپنے ہمنوا تلاش کر رہے ہیں اور انہیں تاج محمد لنگاہ کی شکل میں ایک ساتھی نصیب ہو گیا ہے جن کے بارے میں شاہین صاحب اور ان کے ساتھی کہہ رہے ہیں کہ تاج صاحب ایک کاغذی تنظیم کے سربراہ ہیں۔ بہر حال یہ ان کا ذاتی جھگڑا ہے۔

ملتان میں ممتاز بھٹو کا سواگت اس طرح نہیں ہو سکا، جس طرح کا تصور جناب تاج نے انہیں دلایا تھا۔ وہ ملتان ڈسٹرکٹ بار اور ہائی کورٹ بنچ بار سے خطاب کا موڈ بنا کر آئے تھے اور خیال تھا کہ ان کے آتے ہی تمام سرائیکی دانشور، کارکن، ہاری مزارع، مزدور، طلباء وغیرہ وغیرہ ان کی راہ میں آنکھیں بچھا دیں گے لیکن یہاں تو معاملہ الٹ ہو گیا اور لوگوں نے ممتاز بھٹو کو آنکھیں دکھائیں۔ سرائیکی الائنس کے ایک نوجوان رہنما نے انہیں برملا کہا کہ سرائیکی پارٹی کے ساتھ معاہدہ کر کے ممتاز بھٹو نے اپنے لیے گھاٹے کا سودا کیا ہے اور اب سرائیکی الائنس کیلئے ان کے ساتھ مل کر کام کرنا ممکن نہیں رہا۔

سب سے پریشان کن معاملہ وکلاء کی دونوں بار ایسوسی ایشنوں کا رہا۔ ڈسٹرکٹ بار نے تو اجازت دینے سے فنی وجوہ کی بنا پر انکار کر دیا۔ لیکن ہائی کورٹ بار میں دھینگا مشتی ہوئی۔ صدر اور سکریٹری کا کہنا تھا کہ مجلس عاملہ نے ممتاز بھٹو کو خطاب کرنے کی اجازت نہیں دی۔ جبکہ سینئر نائب صدر (جو کہ راؤنی پیپلز پارٹی ہیں) نے اپنے ساتھیوں سمیت بیان جاری کیا کہ ممتاز بھٹو کو سنا جائے گا اگلے روز ممتاز بھٹو کی آمد سے قبل صدر اور سیکرٹری نے بار روم کو تالے لگا دیئے۔ مسلم لیگ کے ایک بزرگ رہنما مولوی عرفان احمد ایڈووکیٹ اس دروازے پر دھرنا دے کر بیٹھ گئے جہاں سے ممتاز بھٹو کی آمد متوقع تھی۔ اور پھر اپنے مسلح محافظوں کے جلو میں سندھ کا یہ "قوم پرست" لیڈر ملتان ہائی کورٹ بار ایسوسی ایشن آیا۔ اور اسے دم بھر میں فتح کر لیا۔ مولوی عرفان احمد انصاری کو دھکا دے کر دروازے سے الگ کیا گیا اور بار روم کے تالے توڑ دیئے گئے۔ ممتاز بھٹو نے پہلے دن کے بچے کھچے چند جملے پھر دہرائے اور کنفیڈریشن کا پیغام سنا کر خاموش ہو گئے ان کے جانے کے بعد اب معاملہ مسلم لیگی لائرز فورم میں آگیا ہے بار کے صدر اور سیکرٹری ممتاز بھٹو، تاج لنگاہ اور ان کے ساتھیوں کی مذمت کرتے ہیں جبکہ دوسری طرف سے صدر اور سکریٹری کے خلاف بیانات آ رہے ہیں۔ مسلم لیگی رہنماؤں نے بار کے سینئر نائب صدر عبدالحفیظ کی مذمت کی ہے۔ مسلم لیگی وکلاء فورم نے ان کی رکنیت معطل کر دی ہے اور ابھی یہ جھگڑا جاری ہے۔

ایک بات اس سارے دورے کے دوران واضح طور پر کھل کر سامنے آئی۔ ممتاز بھٹو سے پہلے ان کے دس پندرہ ساتھی ایڈوانس پارٹی کے طور پر ملتان آ چکے تھے وہ سب کے سب یک زبان ہو کر الاپ رہے تھے کہ سندھ نے اپنا قرض چکا دیا ہے۔ پیپلز پارٹی کو ووٹ صرف بھٹو کی قبر کے حوالے سے ملا ہے اور آنے والے انتخابات میں پیپلز پارٹی کو شکست ہو گی۔

ممتاز بھٹو اور ان کے ساتھیوں نے یہاں ملتان کے دانشوروں سے گلہ کیا کہ پنجاب کا وزیراعلیٰ سندھ کے معاملات میں مداخلت کرتا ہے اور وہ وہاں جا کر ایم کیو ایم کی زبان میں بات کرتا ہے۔ بار بار دہرائے جانے والے اس فقرے کا جواب ایک "سرائیکی" دوست نے اس طرح دیا جناب آپ بھی تو یہاں آ کر نواز شریف کی زبان بولتے ہیں۔ وہ کہتا ہے کہ پنجاب میں پیپلز پارٹی ختم ہو گئی آپ کہتے ہیں سندھ میں پیپلز پارٹی ختم ہو گئی پھر کیا فرق رہا آپ دونوں میں آپ کو تکلیف یہ ہے کہ نواز شریف سندھ کیوں جاتا ہے کیا اسی کا جواب دینے تو آپ ملتان نہیں آئے۔ یہ سرائیکی دوست کٹر پیپلز پارٹی کے ساتھی ہیں اور وکیل بھی۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ کوئی طاقت بین الاقوامی سطح پر ایک بار پھر سرگرم عمل ہے۔ اور اسے اپنے دوستوں کی تلاش ہے۔ وہ جو کھیلوں میں ایک رسم ہے "ٹیلنٹ ہنٹنگ" کی یعنی جوہر قابل کی تلاش، ہمارا خیال ہے کہ ممتاز بھٹو بھی کسی جوہر قابل کی تلاش میں نکلے تھے اب یہ تو وقت بتائے گا کہ ان کے معیار پر کون پورا اترتا ہے اور کون نہیں۔

●●

جنگ آزادی کا درخشندہ باب

حضرت مولانا کفایت علی کافی مُرادآبادی علیہ الرحمہ

تحریر: مولانا خلیل اشرف قادری رضوی

> جب آپ کو پھانسی دینے کے لئے لے جایا جارہا تھا تو آپ اپنی تازہ نعت پڑھتے ہوئے جارہے تھے!

شعر: دو عالم سے بیگانہ کرتی ہے دل کو
عجب چیز ہے لذت آشنائی

کوئی بھی تاریخ کا طالب علم جب تاریخ کا مطالعہ کرے گا تو اسے اس حقیقت کا اعتراف کرنا پڑے گا کہ جب بھی مسلمان قوم پر کوئی آفت آئی اور جب بھی مسلمان اپنی نادانیوں اور عاقبت نااندیشی کی وجہ سے بربادی کے ہلاکت خیز بھنور میں پھنسے اور مایوسیوں کی خوفناک تیرگی ان پر مسلط ہونے لگی تو اس دور کے علماء و صلحاء اور فقراء اپنی مسجدوں، مکتبوں اور خانقاہوں سے نکل کر باطل کے سامنے سینہ سپر ہو گئے اور بالیقین کہتا ہوں کہ اپنے فرائض ملی کی ادائیگی کے بعد انہوں نے کبھی کسی حرص و طمع کا اظہار نہیں کیا اور نہایت خاموشی کے ساتھ اپنے انہیں مدرسوں اور خانقاہوں میں چلے گئے

مولانا کفایت علی کافی علیہ الرحمۃ بھی انہیں علماء کی صف کے ایک تابندہ ستارے تھے جو ۱۸۵۷ء کی تحریک آزادی میں اپنا سب کچھ لٹا کر خود بھی راہِ حق میں قربان ہو گئے کیونکہ

شہادت ہے مطلوب و مقصودِ مومن
نہ مالِ غنیمت نہ کشور کشائی

۱۸۵۷ء کی تحریک حریت (جنگ آزادی) جس کو لوگ غدر بھی کہتے ہیں۔ ایک ایسی لرزہ خیز طویل تاریخ ہے جو اپنے دامن میں ہزاروں حوادثات کو سموئے ہوئے اولوالعزم اور باجبروت لوگوں کی کہانی سناتی ہے لیکن اس باب میں جو بات خفیت کے ساتھ کہی جا سکتی ہے وہ یہ ہے کہ مؤرخین نے نہ صرف یہ کہ انہیں نظرانداز کیا بلکہ کذب و افترا پر مبنی ایسی تاریخ سازی بھی فرمائی جس سے ان کا استخفاف ہوتا ہے۔ حتیٰ کہ ان باعظمت لوگوں کو باغی، لفنگا تک کہا گیا اور اس انداز میں ان کی اہانت کی گئی جنہیں پڑھکر دل غموں کے اتھاہ سمندر میں ڈوب جاتا ہے۔ اتنا مخالفانہ و معاندانہ، غیر مہذب و ناشائستہ رویہ ان کا بڑے سے بڑا دشمن بھی اختیار نہ کر سکا۔ جو اپنے کہلانے والوں نے انعامات و وظائف کی لالچ میں کیے۔

اس کے باوجود مجاہدین حریت سربلند رہے۔ اور ان کا کردار تا قیامت قابل رشک رہے گا۔ مگر افسوس کہ جس طرح سرسید نے محمود خان کا نام نامحمود رکھا تھا اسی طرح شمس العلماء منشی ذکاء اللہ بخت خان کو کم بخت خان کے نام نامی اسم گرامی سے یاد کرتے ہیں لیکن یہ بھول جاتے ہیں کہ شکسپیر کے الفاظ میں گلاب کے پھول کو جس نام سے بھی یاد کرو وہ گلاب کا پھول رہے گا۔

(بہادر شاہ ظفر اور ان کا عہد ص ۸۲۵ رئیس احمد جعفری ندوی)

اور قہر یہ ہے یہ دونوں حضرات اپنے آقائے ولی نعمت انگریز بہادر کے۔ واح خصوصی اور خطاب یافتہ و ظیفہ خوار تھے اور اس پر طرفہ یہ ہے کہ دونوں حضرات وہابی مسلک سے تعلق رکھتے تھے کریلا اور نیم چڑھا کا مصداق اپنا نے خود کیلئے۔ سرسید احمد خاں لکھتے ہیں۔

منجملہ ان کے عنایت رسول نامی باغی اور مشہور احرام زادہ تھا مع جان محمد اپنے ملازم کے اس باغ میں گھس گیا تھا۔ جب سرکاری فوج کے چند سوار اس باغ کے قریب پہنچے تو اس نے یا اس کے نوکر نے ان سواروں پر بندوق فیر کی۔ (ص ۸۹)

بہر صورت ان خطاب یافتہ رہنماؤں نے مجاہدین تحریک آزادی کے متعلق ایسے ناشائستہ اور بدترین الفاظ استعمال کئے ہیں جو کسی طرح مناسب نہ تھے۔

اس میں قطعاً کوئی شک نہیں کہ ۱۸۵۷ء میں رونما ہونے والی تحریک ایک زبردست اور منظم تحریک تھی جس میں ہر طبقہ کے پرجوش مسلمانوں نے حصہ لیا ایک طرف امراء، رؤسا اور ان کی فوجی طاقت تھی تو دوسری جانب علماء، صلحاء، فقراء، شعراء اور عوام کی بھرپور قوت شریک رزم تھی۔

مجاہدین نے اپنے بے پناہ جوش و جذبہ سے انگریزوں کی صفیں الٹ دی تھیں۔ انہیں سرفروش کفن بردوش مجاہدین میں مولانا کفایت علی کافی بھی تھے جنہوں نے مسند علم اور بزم سخن سے اٹھ کر جنگ آزادی ۱۸۵۷ء میں مردانہ وار حصہ لیا۔ آپ کا اسم گرامی کفایت علی تھا کافی تخلص فرماتے تھے آپ خاندان سادات کے ایک معزز گھرانے سے تعلق رکھتے تھے اور مراد آباد کے قدیم ساکن تھے۔

ابتدائی تعلیم انہوں نے مراد آباد ہی میں حاصل کی عرصہ تک بریلی اور بدایوں میں تحصیل علم کے سلسلے میں قیام پذیر رہے اور آخر میں شاہ ابو سعید مجددی سے علم حدیث حاصل کیا۔ علم و فضل اعمال و کردار میں یکتائے روزگار تھے اور جملہ علوم و فنون میں مہارت تامہ کے حامل تھے۔ ان کے اکثر اشعار حمد، نعت میں ہیں جو ان کی واردات قلبی کا اظہار کرتے ہیں ــــ میرٹھ میں فوج کے باغی ہو جانے کی خبر ۱۱ رمئی ۱۸۵۷ء میں مراد آباد پہنچی اور انگریزوں کی تمام تر قوت و سطوت کے باوجود ۱۹ رمئی ۱۸۵۷ء کو مجاہدین نے مراد آباد سے انگریزوں کے قبضہ کو ختم کر دیا اور جیل خانہ توڑ کر قیدیوں کو آزاد کر دیا۔

ضلع مراد آباد میں جنگ آزادی کا زبردست جوش و جذبہ

باقی صفحہ ۳۱ پر
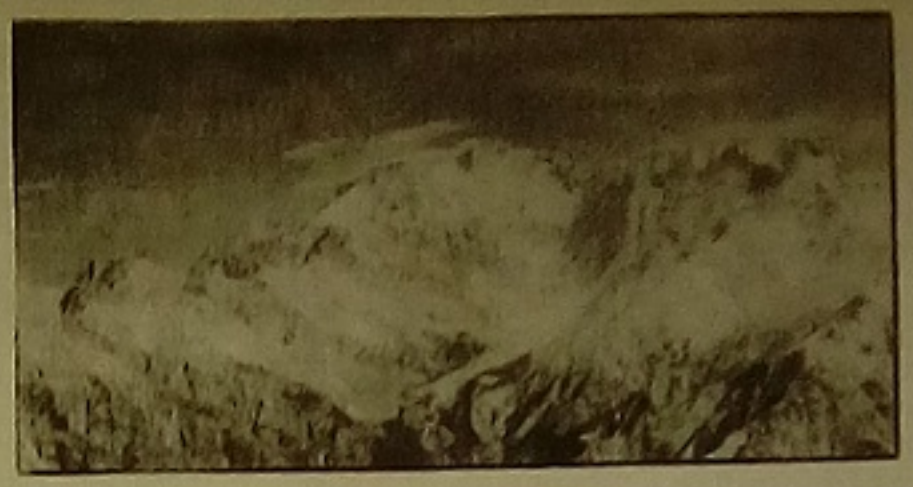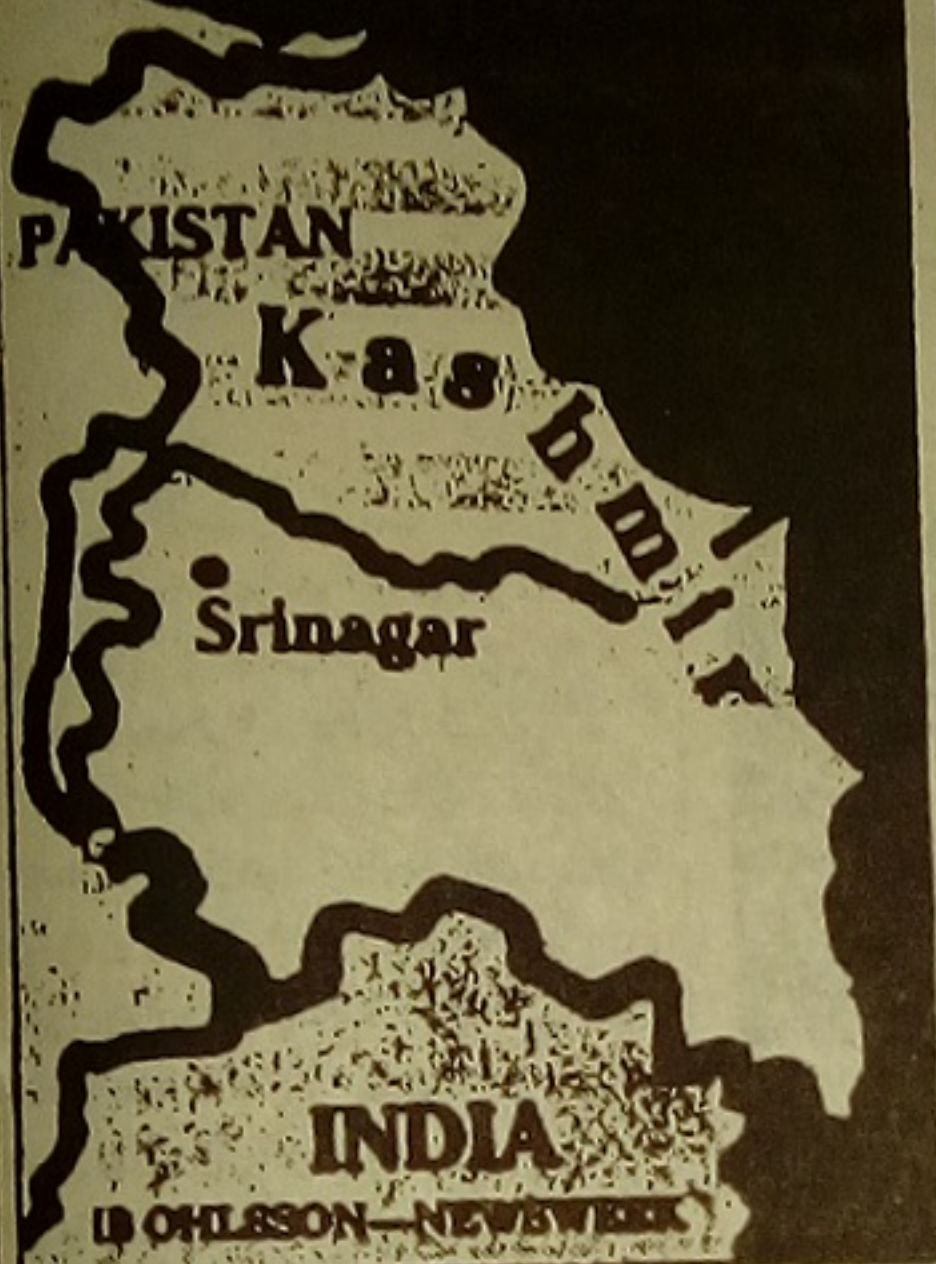
زیر نظر مضمون جمعیۃ الدعوۃ الاسلامی (طرابلس) کے ترجمان رسالہ "الجہاد" کے جولائی ۱۹۹۰ء کے شمارہ میں چھپا ہے۔ مضمون کی افادیت کے پیش نظر ہم اسے احوال کے صفحات پر جگہ دے رہے ہیں (ادارہ)

کشمیر میں مسلم امّہ کا انتفاضہ

جنت ارضی ریاست (جموں وکشمیر) عالم اسلامی کا ناقابل تقسیم حصہ ہے جس کی ۸۵٪ آبادی کا دین اسلام ہے جو تقریباً ایک کروڑ ۲۰ لاکھ نفوس پر مشتمل ہے اسلام اس خطے میں باقاعدہ طور پر چودھویں صدی عیسوی میں اس وقت داخل ہوا جب وہاں کے بدھ مذہب کے پیرو راجہ (ربے لورین جند) نے ایک مسلمان مبلغ کے ہاتھوں پر اسلام قبول کر لیا اس کے ساتھ ہی ساتھ مقامی آبادی کی ایک بڑی تعداد نے بھی اسلام قبول کر لیا

اور تقریباً چھ صدیوں تک یہ علاقہ مسلم اقتدار کے زیر نگیں رہا۔ ۱۸۰۹ء میں سکھوں نے اس علاقے پر قبضہ کر لیا پھر اس پر برطانوی استعمار کا تسلط ہو گیا جس نے اس علاقے کو مع اس کی آبادی کے ایک ہندو قبیلے "ڈوگرا" کے ایک امیر کے ہاتھوں ۷۵ لاکھ ہندوستانی روپوں کے عوض فروخت کر دیا۔

ماخوذ رسالہ الجہاد، مالٹا

جس وقت حکومت برطانیہ نے برصغیر کی آزادی اور قومیت کی بنیاد پر دو ریاستوں میں اس کی تقسیم کا اعلان کیا تو یہ طے پایا کہ مسلمان اکثریت کے علاقے پاکستان میں اور غیر مسلم اکثریت کے علاقے ہندوستان کے ساتھ ضم ہو جائیں اس اعلان نے کشمیر کے ہندو راجہ کو دارالحکومت سے فرار پر مجبور کر دیا بعد ازیں اس نے بھارتی اقتدار کے ساتھ ایک سازش کر کے اور ریاست کی اکثریت کے جذبات کو پامال کرتے ہوئے بھارت کے ساتھ اس علاقے کے الحاق کا اعلان کر دیا۔

۱۹۴۷ء میں بھارتی قبضے کے ساتھ ہی مقامی مسلمانوں

طرف انواع واقسام کے ٹیکسوں کے بوجھ نے ان کی کمروں کو خمیدہ رکھا۔ دینی شعائر کی ادائیگی میں رکاوٹیں ڈالی جاتی رہیں۔ مسجدیں بھی اس ظلم وستم سے محفوظ نہ رہیں۔ مگر اس بے پناہ ظلم وتعدی کے باوصف اسلامیان کشمیر نے نہ تو ہتھیار ڈالے اور نہ ہی خود سپردگی پر تیار ہوئے بلکہ پے در پے انقلاب کے ذریعے حریت کا شعل کو فروزاں رکھا ۱۹۳۲ء میں ایک پراثر دھام عوامی اجتماع منعقد کیا گیا جس میں تقریباً ۴۰ ہزار کشمیریوں نے شرکت کی اور کشمیری عوام کے جائز حقوق بازیابی کی غرض سے جدوجہد جاری رکھنے کے لیے ۲ پارٹیاں وجود میں آئیں ایک اسلامی کانفرنس اور دوسری نیشنل کانفرنس ان دونوں پارٹیوں نے "کشمیر چھوڑ دو" کے نعرے کے ساتھ اپنی تحریک کا آغاز کیا۔

بھارت کے ساتھ الحاق کی سازش:

جب حکومت برطانیہ نے برصغیر کو آزاد کرنے اور دو خود مختار حکومت کے قیام کا اعلان کیا جس کی اساس یہ تھی کہ مسلم اکثریت کے علاقے پاکستان میں اور غیر مسلم اکثریت کے علاقے بھارت میں ضم ہو جائیں اسی قرار داد کے پیش نظر مناسب یہ تھا کہ ریاست جموں کشمیر کا انضمام پاکستان کے ساتھ ہو اس لیے کہ ۸۵٪ سے زیادہ آبادی مسلمانوں کی تھی اور ایک ہزار کلومیٹر سے زیادہ لمبی اس کی سرحدیں پاکستان سے ملتی تھیں جیسے کہ مشرقی پنجاب اور مغربی بنگال، جس کی اکثریتی آبادی ہندوؤں پر مشتمل تھی۔ کا الحاق پاکستان کی طرف سے بغیر کسی تعارض کے بھارت کے ساتھ ہو گیا۔

اس وقت کشمیر کی مسلم اکثریت پر حکمر... والے ہندو راجہ (ہری سنگھ) نے اپنی ذات کو ایک دشوار موقف میں پایا۔ نئی دلی نے اس کے ساتھ مل کر کشمیر کے ہندوستان کے ساتھ الحاق کی سازش تیار کی چنانچہ راجہ ریاستی دارالحکومت سے فرار ہونے پر مجبور ہو گیا اور (یکطرفہ طور پر) ریاست کے ہندوستان کے ساتھ الحاق کا اعلان کر دیا اور ریاست کی اکثریت کی خواہشوں کو نظر انداز کر دیا۔ یہ معاہدہ ایک کھلی ہوئی سازش تھا کیونکہ یہ صراحتاً اس قرار داد کے منافی اور متعارض تھا جس کے مطابق مسلم اکثریتی علاقوں کو پاکستان کے ساتھ ضم ہونا تھا۔

اس کے فوراً بعد انتہا پسند ہندو تنظیمیں جیسے آر ایس ایس، ڈوگرا جماعت جو راجہ کشمیری فوج پر مشتمل تھی وغیرہ نے مسلمانوں کا اجتماعی قتل عام شروع کر دیا ساتھ ساتھ ہی بھارتی فوجیں بھی کشمیر میں داخل ہو کر ان انقلابی مسلم قبائل کے خلاف صف آرا ہو گئیں جن قبائل نے بھارت کے ساتھ کشمیر کے الحاق کے معاہدے کے خلاف بغاوت کا علم بلند کر رکھا تھا۔

اس گھٹیا سازش اور کھلی ہوئی بربریت کے رد عمل میں پاکستان سے لیکر کشمیر تک کی بہت سے رضاکار مسلم جماعتیں اپنے کشمیری بھائیوں کے حقوق کے دفاع اور آزادی کے لیے اٹھ کھڑی ہوئیں۔ اسلام کا مضبوط عقیدہ کشمیر کی تین چوتھائی سے زیادہ آبادی کو پاکستان میں رہنے والے ان کے دینی بھائیوں سے مربوط کرتا ہے علاوہ ازیں خون، زبان، ثقافت، روایات، تاریخ اور جغرافیائی روابط کشمیر کو پاکستان سے جوڑتے ہیں کشمیر درحقیقت پاکستان کے طبیعی پھیلاؤ کا ایک حصہ ہے دریائے سندھ دونوں کو ایک دوسرے سے جوڑتا ہے پاکستان کے پنجاب صوبے کو سیراب کرنے والی نہریں اور ندیاں دریائے سندھ سے ہی پانی حاصل کرتی ہیں۔

عقیدے، جغرافیائی اور تاریخ کے ہی روابط تھے جنہوں نے پاکستان کے مسلم رضاکاروں کو اپنے کشمیری بھائیوں کی مدد کے لیے ابھارا نیز حکومت پاکستان نے بھی کشمیر کی خود مختاری کے لیے جنگ میں کشمیریوں کے شانہ بشانہ شرکت کا فیصلہ کیا۔

چنانچہ کشمیری مسلمانوں نے بھارتی فوجوں کی عددی اور اسلحہ جاتی برتری کے باوجود پاکستانی رضاکاروں کی مدد سے زبردست کامیابیاں حاصل کیں نتیجے کے طور پر بھارتی فوجوں کو پیچھے ہٹنا پڑا۔

اگر اقوام متحدہ کی طرف سے مداخلت نہ ہوتی تو قریب تھا کہ مسلمان پوری ریاست کو آزاد کرا لیتے اقوام متحدہ کے مندوب (سرڈیکسن) تھے چنانچہ کشمیری عوام سے آزادانہ استصواب رائے کی قرار داد کے ساتھ اقوام متحدہ نے جنگ بند کرادی۔

۱ جنوری ۱۹۴۸ء میں بھارت نے مسئلے کو سلامتی کونسل میں اٹھایا چنانچہ جنگ بندی کے ساتھ ساتھ ہی اقوام متحدہ کی سلامتی فوجیں جنگ بندی لائن کے دونوں جانب پھیل گئیں یہ صورتحال ۱۹۷۲ء تک رہی ۱۹۷۲ء میں بھارت نے اقوام متحدہ کی فوجوں کی واپسی کا مطالبہ کیا جبکہ

سرینگر میں بھارتی فوجیوں نے مورچے بنا لیے

جنگ بندی لائن سے پاکستانی جانب میں اقوام متحدہ کی فوجیں حسب سابق قائم ہیں اس وقت دو تہائی کشمیر پر بھارت کا تقریباً قبضہ ہے۔ جبکہ اقوام متحدہ کی قرار داد کے مطابق اس کی نگرانی میں ایک غیر جانبدار عوامی انتخاب عمل میں آنا تھا تاکہ کشمیری عوام بھارت یا پاکستان کے ساتھ اپنے الحاق کا فیصلہ کر سکیں لیکن بھارت نے جنگ بندی لائن کو مستقل سرحد کی حیثیت دے دی جبکہ پاکستان جنگ بندی لائن کو مستقل سرحد کی حیثیت سے تسلیم نہیں کرتا اور اقوام متحدہ کی قرار داد کے تئیں ہندوستان کے تجاہل کو ماننے سے انکار کرتا رہا ہے اور متعدد بار

کشمیر کے شہروں اور قصبات میں مجاہدین نے یہ نعرے دیواروں پر لکھے ہوئے ہیں۔ یہ تصاویر بھارتی جرائد نے شائع کی ہیں

انتخاب کے انعقاد کا مطالبہ کرتا رہا ہے تاکہ کشمیری عوام اپنی قسمت کا فیصلہ کرسکیں۔

جنگ بندی کے فیصلے کے وقت سے پاکستان ایک تہائی کشمیر کی نگرانی کر رہا ہے یہ حصہ کشمیر کے شمال مغرب میں واقع ہے اور آزاد کشمیر کے نام سے جانا جاتا ہے جس کے باشندوں کی تعداد تقریباً تیس لاکھ سے زیادہ ہے اس کی اپنی مقامی حکومت ہے اور قومی فوج ہے اور پارلیمنٹ ہے جو ۲۵ ممبروں پر مشتمل ہوتی ہے جبکہ کشمیر کا دوسرا حصہ اب بھی بھارت کے زیر قبضہ ہے اور اپنی خود مختاری کا منتظر ہے

سوائے پاکستانی جانب کے بیرونی دنیا سے اتصال کے لیے کشمیر کے پاس کوئی راستہ نہیں پاکستان کے تینوں بڑے دریا، دریائے سندھ، دریائے جہلم اور دریائے چناب کشمیر سے بہتے ہوئے آتے ہیں کشمیری انسان اپنے لباس اور کھانے میں بڑی حد تک پاکستان سے مطابقت رکھتا ہے۔ ایسے ہی دونوں جانب عادات و روایات بھی متشابہ ہیں گہرے خاندانی روابط اور دین واحد، اسلام کشمیر اور پاکستان کے درمیان یک جہتی اور وحدت پیدا کرتے ہیں۔

ہندو نہ صرف یہ کہ مسلمانوں سے نفرت کرتے ہیں بلکہ بزعم خویش اللہ کی پسندیدہ قوم ہونے کے سبب مسلمانوں کو حقارت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں بالکل ویسے ہی جیسا یہودیوں کا معاملہ ہے وہی نقطۂ نظر جس سے یہودی غیر یہودیوں کو دیکھتا ہے

کشمیر اقوام متحدہ میں:۔

کشمیری حقوق پر کھلی جارحیت اور انتخاب کی بات کو تسلیم کرنے کے بعد بھارت نے اقوام متحدہ کی جانب سے پیش کردہ انتخاب کی جملہ تجاویز کو مسترد کر دیا (انتخاب کے نگران ایڈمرل نیمتز) سے لے کر جنہوں نے بھارت کے اڑیل رویے سے مایوس ہو کر اپنے منصب سے استعفا دے دیا تھا۔ جنرل ماکونٹن اور سر ڈیکسن سے لے کر امریکہ کے ڈاکٹر گراہم تک بھارتی رویے میں کوئی تبدیلی پیدا نہیں ہوئی۔

بھارت کے سرکاری موقف کے مطابق کشمیر اس کے ساتھ ضم ہو چکا ہے اور اس کے نزدیک قضیئے کشمیر کا واحد حل یہ ہے کہ پاکستانی وہاں سے لوٹ جائیں اس نے ریاست جموں و کشمیر کو ایک بھارتی ریاست کا اعلان کر دیا ہے جو بھارت کے دیگر صوبوں کی طرح مساوی ہے اور اس کے مطابق کشمیر کا بھارت کے ساتھ الحاق کا فیصلہ حتمی ہے جس سے دست کشی کا کوئی سوال نہیں۔

اور جب ۱۹۵۷ء میں مسئلہ دوبارہ اقوام متحدہ میں اٹھایا گیا تو بھارت اپنے جارح موقف کے سبب پوری طرح تنہا تھا کسی نے بھی اس کے اس موقف کی حمایت نہیں کی۔

محصور کشمیر:۔

بھارت نے جموں و کشمیر پر اپنے قبضے کے بعد ایک جامع منصوبے کے تحت اسلامی ثقافت اور مسلمانوں کو فنا کرنا شروع کر دیا تاکہ ریاست پر اپنے قبضے کو دوام عطا کرسکے چنانچہ ریاست میں فوج در فوج ہندوؤں کی آبادکاری شروع ہو گئی تمام بنیادی مناصب ہندوؤں کے لیے مخصوص کر دیئے گئے جس نے ملکی اقتصادیات پر بھارت اور ہندوؤں کا قبضہ مستحکم کر دیا بھارت نے مستحکم اور مضبوط سیاسی چالوں کو بروئے کار لاتے ہوئے مسلمانوں کے عقیدے کو متزلزل اور ان کے تشخص اور ثقافت کو فنا کر دینا چاہا اور اسلامی دنیا سے اسلامیان کشمیر کے سارے روابط اور تعلقات کو منقطع کر دیا۔

بے شمار فوجی دستوں کی موجودگی سے پورا کشمیر ایک کھلی جیل میں تبدیل ہو گیا سیکڑوں اسلامی درسگاہیں بند کر دی گئیں جو اسلام کی محافظ اور نگہبان تھیں۔ نظام تعلیم میں ہندو افکار کو بڑھاوا دیا گیا، مادر پدر آزادی اور منشیات کو رواج دیا گیا اور مسلمانوں کے درمیان فرقہ وارانہ اختلافات کو مستقل کیا گیا۔

لیکن اسلامی تحریکات اور دینی تنظیمات کی جدوجہد کے باعث بھارت اسلامی ثقافت اور مسلمانوں کو ناپید کرنے کا اپنا ہدف پورا نہیں کرسکا یہ تنظیمیں اسلامی مراکز اور مدارس کی بناء و تعمیر میں لگی رہیں اور تبلیغ و اشاعت دین کے ساتھ ساتھ آپس میں اتحاد و اتفاق کی کوشش بھی کرتی رہیں اور ساتھ ہی ساتھ انتخابات کے انعقاد کا مطالبہ بھی ہوتا رہا۔

اور انہیں مسلسل کوششوں اور پیہم جدوجہد کا نتیجہ "انتفاضہ" ہے جسے کشمیر کا نوجوان مسلم چلا رہا ہے جنہوں نے مقبوضہ فلسطین کے عوامی انتفاضہ اور افغانستان کے مسلم عوام کے جہاد سے استفادہ کیا ہے ہر سو مظاہرے ہو رہے ہیں اور جس قدر بھارتی فوجوں کی قتل و غارت گری بڑھ رہی ہے "انتفاضہ" کے شعلے بھی بلند ہو رہے ہیں۔ مسلمانوں کی جانب سے مقاومت اور اپنے عادلانہ موقف پر اصرار بھی بڑھتا جا رہا ہے اور اس کی واضح دلیل مارچ ۱۹۹۰ء میں سرینگر میں ہونے والا وہ قتل عام ہے جس میں سو سے زیادہ مسلمانوں نے جام شہادت نوش کیا لاکھوں مسلمانوں کا یہ جلوس سرینگر میں واقع اقوام متحدہ کے شاہدین کے دفتر کی طرف جا رہا تھا جنہیں بھارتی فوجوں نے گولیوں کی باڑھ پر رکھ لیا جس سے صاف پتہ چلتا ہے کہ بھارتی حکومت نے کشمیری عوام کو فنا کر دینے اور طاقت کے زور پر انہیں جھکانے کا عزم کر رکھا ہے جبکہ اس ہفتے کے آخر میں راجدھانی کی سڑکوں پر پانچ لاکھ سے زیادہ لوگوں نے مظاہروں میں شرکت کی۔ تنہا گاڑیوں کی قطار ۱۲ میل لمبی تھی مظاہروں میں مسلمانان کشمیر کی یہ زبردست شرکت ان کے عزم محکم اور پختہ ارادے کی غماز ہے جس نے

سیاسی جماعتوں پر پابندی کے خلاف کشمیری مسلمانوں کا سرینگر میں احتجاجی جلوس

بھارتی فوجوں کو خوف زدہ کر دیا ہے اور شکست کے احساس میں مبتلا کر دیا ہے۔ نتیجے کے طور پر حکومت نے بیس سے زیادہ شہروں میں کرفیو نافذ کر دیا ہے اور یہ شہر مقتل بنانے کے لیے فوج کے حوالے کر دیئے گئے ہیں جو مسلمانوں کی بے آبروئی کر رہی ہے اور نوجوانوں کو پکڑ پکڑ کر جیلوں اور عقوبت گاہوں میں بھر رہی ہے۔ نیز مسلمانوں کو نماز جمعہ ادا کرنے سے اور باہر سے ادویات اور دوسری اشیائے ضروریہ منگوانے سے روک دیا ہے عالمی ذرائع ابلاغ کے نمائندوں کو بھگا دیا ہے اور مسلم جماعتوں اور تنظیموں کو تحلیل کر دیا ہے۔ اسلامی تنظیموں کے قائدین اور ہزاروں ممبران کو سلاخوں کے پیچھے پہنچا دیا ہے اور اسلامی ذرائع ابلاغ اور نشر و اشاعت پر مکمل پابندی نافذ کر دی ہے۔

ان وحشیانہ اقدامات کے نتیجے میں ابتدائے جہاد سے اب تک ۵۰۰ افراد سے زیادہ شہید اور ۵۰۰۰ سے زیادہ زخمی ہو چکے ہیں جبکہ جیلوں، مراکز تفتیش اور عقوبت گاہوں میں ۸۰۰۰ سے زیادہ افراد انتہائی کسمپرسی کی حالت میں ہیں۔

دوسری طرف دس ہزار سے زیادہ طلبا اپنی تعلیم کو خیر آباد کہہ کر جہاد سے وابستہ ہو گئے ہیں اور ساٹھ فیصد سے زیادہ مزدور اور ہنر مند کارخانوں اور تجارتی مرکزوں کے بند ہونے کے سبب بے کار ہو گئے ہیں جو مسلسل کرفیو اور چھ ماہ سے نافذ مارشل لاء کا شاخسانہ ہے۔

سرینگر اس وقت سے محصور ہے جبکہ سال رواں کے مہینے اپریل میں جہاں پندرہ دن کا مسلسل کرفیو روز و شب نافذ رہا جس کے سبب لوگ گھروں سے باہر نہیں نکل سکے اور کھانے پینے کی اشیاء کی زبردست قلت ہو گئی۔ الیکٹرسٹی کے انقطاع اور طبی امداد کی عدم فراہمی کے سبب متعدد حاملہ عورتیں اور مریض چل بسے لیکن لوگ آپس کے اشتراک و تعاون کی بدولت اس سخت مرحلے سے بھی گزر گئے ٹھیک ویسے ہی جیسا مقبوضہ فلسطین میں ہوتا آ رہا ہے۔

اسلامی تشخص کی جدوجہد :-

مسلم قائدین کا کہنا ہے کہ انہوں نے اپنی جہاد کی بیہچان کے طفیل بہت سے زبردست مقاصد حاصل کر لیے ہیں جن میں سب سے نمایاں کشمیر کا واضح قطعی اسلامی تشخص ہے علاوہ ازیں عوام کے مکمل تعاون کا حصول، ہندوستانی سیاست کو پورے طور پر ناکام کرنا، اور عالمی برادری کے روبرو مسئلہ کشمیر کو پیش کرنا، دوسری بار ایک ایجنٹ نظام کو ریاست پر مسلط کرنے کی کوشش کو پامال کرنا وغیرہ دوسری بڑی کامیابیاں ہیں ان قائدین کے نزدیک داخلی اتحاد و اتفاق کے ساتھ ساتھ ان حاصل شدہ کامیابیوں کو پختہ اور مستحکم کرنا انتہائی اہم ضرورت ہے۔ ان قائدین کے نزدیک ایک اور اہم ضرورت متبادل اقتصادی نظام ہے جو خالصتاً کشمیری ہو اور میدان جنگ کو وسیع سے وسیع تر کر کے بھارتی حکومت کے اقتصادی بوجھ کو بڑھانا ہے اور اقتصادی مراکز کو زیادہ سے زیادہ مجاہدین کا ہدف بنانا ہے۔

ان قائدین کا کہنا ہے کہ ریاست کی رائے عامہ میں جو وری الخیر واقع ہوا ہے جو عالم اسلامی میں واقع حالیہ تغیرات کا ایک حصہ ہے مثلاً مقبوضہ فلسطین کا "انقلاب سنگ" اور جہاد افغانستان نے کشمیر میں ملت اسلامیہ کو پوری طرح سے یقین دلا دیا ہے کہ انتخاب کی سیاست، ایجنٹ حکومت اور پارلیمنٹ جیسی نامی سراب سے کچھ حاصل ہونے والا نہیں اور جہاد کا اگلا مرحلہ لازمی طور پر حقیقی اور عوامی اسلامی انقلاب ہوگا۔

انقلابی کشمیر :

بعض دوسرے قائدین نے کہا کہ تین سال قبل کشمیری مسلمان اپنی ناراضگی کے اظہار کے طور پر بھارتی پولیس وغیرہ پر پتھر پھینک کر گلیوں میں گھس جاتے تھے مگر آج مجاہدین کشمیر جن کی بڑی تعداد بیس سے تیس سال کے درمیان کی ہے کلاشنکوف اٹھائے ہوئے ہیں اور اپنے گھروں میں بم تیار کر کے بھارتی قابض فوجوں سے نبرد آزما ہیں۔ جموں کشمیر پولیس کے ڈائریکٹر جنرل (جیتندر لائق) کا کہنا ہے کہ "ماضی میں پولیس انہیں ڈراتی تھی اور بھاگنے پر مجبور کر دیتی تھی مگر آج یہ چیلنج کے ساتھ سینہ سپر ہیں۔

شیخ (مولوی محمد فاروق) مفتی کشمیر فرماتے ہیں کہ جو کچھ آج کشمیر میں ہو رہا ہے وہ "انتفاضہ" کی نمائندگی کر رہا ہے لوگ ہندوؤں کے غلام نہیں رہنا چاہتے اور کسی اجنبی طاقت کے لیے خود سپردگی کو تیار نہیں ہیں"۔

امت مسلمہ یہاں پوری طرح اٹھ کھڑی ہوئی ہے اور اس نے طے کر لیا ہے کہ وہ اپنی آنکھیں دوبارہ بند نہیں کرے گی۔

ہندو پاک کے درمیان کشیدگی میں اضافہ

ایک طرف تو کشمیر میں "انتفاضہ" کی شدت بڑھتی جا رہی ہے دوسری طرف بھارتی حکومت اس قضیے کو ہندو پاک کے درمیان کشیدگی بڑھانے میں استعمال کر رہی ہے۔ نیو دہلی اور اسلام آباد کے درمیان کلامی جنگ اپنی چوٹی کو پہنچ چکی ہے بھارتی وزیر اعظم بار بار خطرناک نتائج کی دھمکی دے رہے ہیں۔ بھارتی پارلیمنٹ کے سامنے بولتے ہوئے کہا کہ "پاکستان کیلئے میرا پیغام ہے کہ وہ بغیر جنگ کے کشمیر پر قبضہ نہیں کر سکتا اور اسے اپنی

حرکتوں کے لیے بھارتی قیمت چکانی پڑے گی ہم اسے زبردست نقصان پہنچانے کی صلاحیت رکھتے ہیں"۔
انہوں نے یہ بھی کہا کہ گزشتہ اٹھارہ سال میں پاکستان نے اپنی قوت میں خاصا اضافہ کر لیا ہے پاکستانی فوج کے قائد نے ان بیانات کو انتہائی سنجیدہ قرار دیتے ہوئے پاکستانی فوجوں سے بھارتی چیرہ دستی کا جواب دینے کے لیے تیار رہنے کو کہا ہے
اسلام آباد میں سرکاری ذرائع نے بتایا کہ پاکستان کے لیے ان جنگی دھمکیوں کو نظر انداز کرنا ممکن نہیں اور ملک کے دفاع کے لیے اسے تمام ذرائع بروئے کار لانا چاہیئے گذشتہ دنوں دونوں ملکوں نے اپنی فوجوں کو سرحد کے پاس اکٹھا کر لیا تھا۔ مختصر یہ کہ بھارت کا یہ کہنا کہ مسئلہ کشمیر ایک داخلی مسئلہ ہے جس میں دوسرے ملکوں کو مداخلت نہیں کرنی چاہیئے یہ ایک جھوٹا دعویٰ ہے کیونکہ یہ مسئلہ اب بھی اقوام متحدہ کی فائلوں میں موجود ہے ساتھ ہی ساتھ اقوام متحدہ میں عوامی رائے دہی سے متعلق قرارداد بھی موجود ہے جس سے بھارت نے خود بھی اتفاق کیا تھا یہ وہ بات ہے جسے ساری دنیا جانتی ہے بھارت یہ کیسے بھول جاتا ہے کہ اس نے مسئلے کو اقوام متحدہ تک پہنچایا ہے۔
ایسے ہی بھارت کا یہ دعویٰ کہ کشمیر بھارت کا ناقابل تقسیم حصہ ہے اس معاہدہ سے متعارض ہے جس کی رو سے مسلم اکثریتی علاقوں کا انضمام پاکستان کے ساتھ ہونا تھا اور ہندو اکثریت کے علاقوں کا بھارت کے ساتھ۔ ایسے ہی کشمیر میں اس کا قبضہ اقوام متحدہ کی قرارداد کی صریح خلاف ورزی ہے جس کے مطابق کشمیری عوام کی قسمت کا فیصلہ آزادانہ رائے دہی کے ذریعہ ہونا تھا۔
رہا کشمیر کے بھگوڑے راجہ کا بھارتی حکومت کے ساتھ کشمیر کے الحاق کا معاہدہ تو اس کی کوئی قانونی حیثیت نہیں ہے اس لیے کہ ایک تو فرار کے سبب اسے اس قسم کا کوئی حق ہی نہیں رہا دوسرے یہ کہ یہ معاہدہ کشمیر کی بھاری اکثریت کے خواہشوں کے خلاف تھا۔
لہٰذا بھارتی حکومت کو چاہیئے کہ وہ عدل کا طریقہ استعمال کرے اور انسانی حقوق کا احترام کرے بایں طور کہ کشمیری عوام کو اپنی مرضی اور خواہش کے مطابق اظہار رائے کا حق دے تاکہ کشمیری عوام صراحۃً اپنی مرضی اور خواہش کا اعلان کر سکے خواہ وہ پاکستان سے الحاق کی صورت میں ہو یا بھارت کے ساتھ یا ذاتی خود مختاری کی شکل میں یہی خون خرابہ روکنے اور مسئلے کے حل کا واحد راستہ ہے جسے ایک زمانہ ہو گیا ہے۔

بقیہ:۔ بے نظیر کی رخصتی

تیار نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ جمہوری حکومت کو حکمرانی کا حق عوام کی جانب سے تفویض کیا جاتا ہے کوئی بھی ماسوائے عوام چیلنج نہیں کر سکتا۔ بے نظیر نے یہ بھی الزام لگایا ہے کہ شروع دن سے ان کے ٹیلی فون ٹیپ کیے گئے۔ وہ ڈرگ مافیا کے خلاف قانون سازی کرنا چاہتی تھیں ان کی حکومت نے اسمگلروں کے خلاف بڑے پیمانے پر کارروائی کی جس کی پاداش میں ان کی حکومت کو برخاست کر دیا گیا۔
فرانس سے ایٹمی پلانٹ کا حصول یقیناً بے نظیر حکومت کا کارنامہ ہے انہوں نے پاکستان کے لئے دو نیوکلیئر پاور پلانٹ کے معاہدے کیے جنھیں سراہا نہ جانا ان کے ساتھ زیادتی ہوگی بے نظیر نے چودہ اسلامی ممالک کے دورے کیے۔ ان ممالک کے سربراہوں کو کشمیر کا مسئلہ سمجھایا۔ اپنا ہمنوا بنایا جس کا ثبوت یہ ہے کہ اسلامی وزرائے خارجہ کی کانفرنس میں بھارت کی سر توڑ کوششوں کے باوجود مسئلہ کشمیر پیش ہوا اور پاکستان کے موقف کی تائید کی گئی بے نظیر نے کشمیر کے مردہ مسئلہ میں پھر سے جان ڈال دی ہے۔
۱۹۸۸ء کے الیکشن میں ہارنے والے اکثر سیاستدان شروع دن سے وسط مدتی انتخابات کی رٹ لگائے ہوئے تھے آخرکار وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہو گئے اب یہ نعرہ بھی سننے میں آیا ہے کہ خواہ الیکشن نہ ہوں احتساب کا عمل ضرور ہو۔ یہ نعرہ بہت خطرناک ہے تمام سیاسی مبصرین اور تجزیہ نگار اس امر پر متفق ہیں کہ اگر انتخابات وقت مقررہ پر نہ ہوئے تو پاکستان شدید بحرانسے دوچار ہو جائے گا۔
نگراں حکومت میں نمایاز سیاستداں تو ضرور شامل ہیں مگر ان میں وہ سیاستداں بھی شامل ہیں جن کی ماضی میں ساکھ اچھی نہیں رہی ان میں کچھ ایسے بھی ہیں جنہوں نے پی پی کی حکومت میں قرضے بھی لئے ہیں۔
بہر حال ایک حقیقی سیاسی رہنما انتخابی عمل سے نہیں ڈرتا۔ ہر سیاسی جماعت کو اندازہ ہوتا ہے کہ وہ عوام میں کہاں کھڑی ہے۔ پیپلز پارٹی کے لئے بھی میدان کھلا ہے وہ خود کو عوام کے سامنے پیش کرے اور دیکھے کہ عوام اس کے بارے میں کیا فیصلہ دیتے ہیں کیونکہ عوام کا فیصلہ ہی آخری فیصلہ مانا جاتا ہے۔

بقیہ:۔ جنگ آزادی

تھا نواب مجدالدین عرف مجو کو مرادآباد کا حاکم بنا لیا گیا۔ توپ خانہ نواب اسعدالدین خان کے سپرد ہوا نواب شیر علی خان فوج کے جرنیل مقرر ہوئے اور مولانا کفایت علی کافی صدر الشریعت بنائے گئے۔ اسی دوران فتویٰ جہاد کی زبردست اشاعت ہوئی، انگریز نینی تال میں پناہ لے کر اپنی پراگندہ قوت مجتمع کر رہے تھے۔ جبکہ برٹش حکومت کے امراء رؤساء خطاب یافتہ حضرات اپنی ناپاک ریشہ دوانیوں میں مصروف تھے اس وقت پورے مرادآباد اور بریلی وغیرہ میں علم حریت لہرا رہا تھا
مولانا کفایت علی پورے جذبۂ جہاد کے ساتھ مسلم علاقوں میں ایک تسلسل کے ساتھ دورہ فرما رہے تھے انہیں ایام میں آپ جنرل بخت خان کے ساتھی بنے اور اس کے ساتھ ہی اپنوں کی ریشہ دوانیوں الا مفاد پرست نوابوں اور خود غرض جاہ پرستوں کی غداریوں کی وجہ سے مرادآباد پر انگریزوں کا قبضہ ہو گیا۔ اس کے بعد فخرالدین نامی ایک غدار نے آپ کی مخبری کی۔ اور مولانا کفایت علی کافی گرفتار کر لیے گئے۔ کئی مقدمات قائم کیے گئے بالآخر آپکو پھانسی کا حکم دے دیا گیا۔ جب یہ حکم مولانا کافی علیہ الرحمۃ تک پہنچا تو آپ خوشی و مسرت سے جھوم اٹھے ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے سارے جہاں کی نعمتوں سے سرفراز کر دیئے گئے ہیں۔
اور جب آپکو پھانسی دینے کے لیے لے جایا جا رہا تھا تو مولانا نہایت بلند آواز سے اپنی تازہ نعت پڑھتے ہوئے جا رہے تھے۔

کوئی گل باقی رہے گا نے چمن رہ جائے گا
پر رسول اللہ کا دین حسن رہ جائے گا۔
نام شاہان جہاں مٹ جائیں گے لیکن یہاں
حشر تک نام و نشان پنجتن رہ جائے گا
جو پڑھے گا صاحب لولاک کے اوپر درود
آگ سے محفوظ اس کا تن بدن رہ جائے گا
سب فنا ہو جائیں گے کافی ولیکن حشر تک
نعت حضرت کا زبانوں پر سخن رہ جائے گا

مولانا محمد عمر نعیمی مرادآبادی علیہ الرحمۃ تحریر فرماتے ہیں کہ شہادت سے تقریباً ۳۵ سال بعد مولانا کافی کی قبر جو جیل کے قریب واقع تھی۔ سڑک میں آ گئی تھی جس سے قبر کھل گئی دیکھا گیا کہ جسم ویسا ہی رکھا تھا اور اب آپکی قبر جیل کے عقب میں ہے اور محفوظ ہے

گرچہ تھے صفحۂ ہستی پہ ہم حرف غلط
لیکن ہم اٹھے بھی تو اک نقش بٹھا کر اٹھے

خادم حسین

اپنے سیاسی نظریات پر سختی سے جمے رہنے کی سزا ایک یا دو نہیں، ہزاروں، لاکھوں افراد دنیا کے ہولناک ترین جیل کی فصیلوں کے اندر بھگت رہے ہیں۔ ضمیر کے یہ قیدی، اپنی تعداد اور اذیت کی گہرائی اور شدت کے لحاظ سے روس میں سب سے زیادہ ہیں اور روس میں اس اذیت کی ابتدا اور انتہا کے جی بی کے نام سے وابستہ ہے۔

لیونڈ بریژنیف کے جنازے کے چار گھنٹے بعد امریکی وفد کے سربراہ نائب صدر جارج بش کی ملاقات نئے وزیراعظم آندرو پوف سے کروائی گئی۔ ملاقات کی فضا بے حد خوشگوار تھی۔ اس خوشگوار فضا کو جارج بش نے یوں توڑا: "مجھے یوں لگتا ہے جیسے میں آپ کو پہلے سے جانتا ہوں کیونکہ ہم ایک جیسی جگہوں پر کام کر چکے ہیں۔" شاید دنیا میں کسی کے لیے یہ امر حیرت کا باعث

ایسی کارروائیاں بغیر کسی
میں رات کے عالم میں ہوتی
ہیں اور ان کا سراغ بھی
باقی نہیں رہنے دیا جاتا

ہوگا کہ جارج بش سی آئی اے کے ڈائریکٹر رہ چکے ہیں اور آندرو پوف کے جی بی کی سربراہی کر چکے ہیں۔ لیکن کیا دونوں کو یہ معلوم تھا جارج بش بھی فرق آندرو پوف نے صرف مسکرا دیے۔

کے جی بی کی بنیاد ایک پولش کمیونسٹ نے رکھی میں رکھی تھی۔ اس نے دنیا کے سب سے بڑے دنیا میں اور بے رحم جاسوسی ادارے کی حیثیت اختیار کر لی۔ اسی ادارے کی آندرو پوف پندرہ سال سربراہی کے بعد وزیراعظم روس کے عہدے تک پہنچے ہیں۔

کے جی بی کا دفتر کریملن سے صرف ایک میل کے فاصلے پر واقع ہے اور کریملن میں جنم لینے والی پالیسیوں کے نفاذ کی ذمہ داری بھی اسی کے سر ہے۔ کے جی بی کے چیف کے نیچے سات لاکھ ایجنٹ کام کرتے ہیں اور تقریباً اتنے ہی یا کچھ زیادہ خبریں فراہم کرنے والے تنخواہ دار ملازم اس کے علاوہ ہیں۔ گویا اس ادارے سے تقریباً پندرہ لاکھ افراد وابستہ ہیں جبکہ امریکہ کی سی آئی اے میں ایک لاکھ بیس ہزار افراد کام کرتے ہیں۔

روس میں اس تنظیم کا اس قدر خوفناک ہوا ہے کہ لوگ اس کا نام لیتے ہوئے گھبراتے ہیں۔ عام شہری اسے "دفتر" یا "کمیٹی" کہنا پسند کرتے ہیں اور عام گفتگو میں اس کا تذکرہ پسند نہیں کیا جاتا۔

روس سے باہر اس تنظیم کی ذمہ داریاں بہت پھیلی ہوئی ہیں اور اسے ایک خوفناک انتقامی تنظیم سمجھا جاتا ہے۔ کے جی بی ماضی میں اپنے نام بدلتی رہی ہے اس سے پہلے چیکا، جی پی یو، او جی پی یو، این کے وی ڈی، این کے جی بی، ایم جی بی اور آخر میں اب اسے کے جی بی کہا جا رہا ہے اس کی بیرون ملک کارروائیاں بڑے منظم طریقے سے کی جاتی ہیں اور کہا جاتا ہے کہ پوپ پال دوئم پر قاتلانہ حملے کے پیچھے بھی اسی کا ہاتھ تھا۔ یہ تنظیم اپنے کام میں حائل قریبی اداروں سے رو رعایت کرنے کی عادی نہیں ہے۔ اس پس منظر کے حوالے سے اڑسٹھ سالہ آندرو پوف کا بحیثیت وزیراعظم برسراقتدار آنا، دوسرے ملکوں کے لیے لمحہ فکریہ ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ پچھلے سالوں میں روس کا جمہوری کردار تبدیل ہونا شروع ہوا ہے اور اب تقریباً اسٹالن کے سخت گیر دور کی یاد دوبارہ تازہ ہو رہی ہے اس سلسلے میں پولینڈ اور افغانستان صحیح مثالیں ہیں اندرون و بیرون ملک پالیسیوں میں روس اب بڑی تیزی

روس میں اس تنظیم کا
ہوا اس قدر خوفناک ہے
کہ لوگ اس کا نام لیتے
ہوئے گھبراتے ہیں

سے یورپ میں امریکہ کے میزائیلوں کے خلاف پروپیگنڈہ مہم تیز کر رہا ہے تاکہ توجہ کے انعطاف کے نتیجہ میں اس کی ہتھیار بندی کا سلسلہ جاری رہ سکے اور داخلی محاذ پر رشوت اور دوسری برائیوں کو کچلنے کے نعرے کے پس پردہ مخالفین کا سر کچلا جا رہا ہے اور اس مہم میں کے جی بی پیش پیش ہے۔ چنانچہ آندرو پوف اور علیئف کے جی بی

دروازے پر دستک

روسی ادیب جارج ولادی موف، اکاون برس کی ڈھلتی عمر میں روسی باطنی ادب کا ابھرتا نقیب ہے۔ وہ چائے کے کپ پر اپنے فلیٹ میں کسی گہری سوچ میں مستغرق ہے سردیوں کی غمزدہ صبح میں سورج نے بمشکل باہر جھانکا ہے۔ مکان کے باہر گراؤنڈ میں ایک بچہ اپنے باپ کے ساتھ کھیل رہا ہے باپ بیٹے کے منہ سے بھاپ کے مرغولے نکل رہے ہیں ولادی موف، آنے والے دنوں کے خوف سے پریشان ہے تین دن پہلے اس کے گھر میں ہونے والی کے جی بی کی واردات نے اسے ہلا کر رکھ دیا ہے۔ اب اس کا مستقبل، اس کی زندگی اس کا گھر، سب کچھ بے یقینی کی گرفت میں ہیں۔

۲۸ دسمبر کو کے جی بی کے جاسوسوں کی ایک ٹیم نے اس کے گھر کو کھنگال ڈالا۔ اور ولادی موف کو دو دن پوچھ گچھ کے اذیت ناک عمل سے گذرنا پڑا۔ کتابیں، رسالے اور دوسری جنگِ عظیم پر اس کے ناول کا ایک مسودہ ان کی دسترد میں تھے۔ اس پوچھ گچھ کے نتیجے میں وہ ولادی موف کے دو ٹائپ رائٹر، دو مسودے اور ذات کی انا ساتھ لے گئے۔ اب ولادی موف کا کہنا ہے کہ اس کے لئے "اب کام کرنا مشکل ہے —" اب وہ جب چاہیں تلاشی لیں۔ مجھے کوئی اعتراض نہیں" — یوں لگتا ہے جیسے اس کے اندر کا ادیب مرگیا ہے۔

ولادی موف بہت پرانا، کہنہ مشق ادیب ہے لیکن
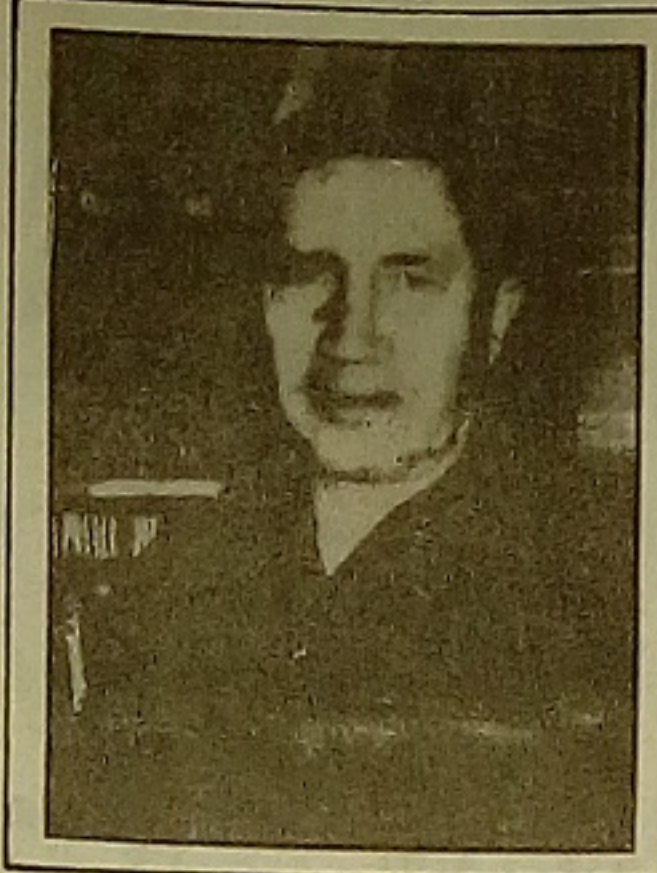
۱۹۶۹ء کے بعد سے اب تک روس پریس میں اس کا ایک لفظ بھی نہیں چھپ سکا، اس عرصے میں مغرب میں اس کے دو ناول، سب سے زیادہ چھپنے کا اعزاز حاصل کرچکے ہیں —

اس روز یوں ہوا.....

صبح کے آٹھ بجے تھے۔ دروازے پر دستک ہوئی جارج ولادی موف اپنے گھر میں خاموش چائے کی پیالی کو گھور رہا تھا۔ اس کی بیوی نتالیا نے دستک کے جواب میں دروازے کے پاس جاکر "کون ہے۔؟" کی آواز دی۔

"ہم ہیں۔ ولادی موف کے دوست" باہر سے آواز آئی —

"دوست" روس میں کوئی اچھا تعارف نہیں ہے چنانچہ نتالیا جھجکی۔ اس کی ہچکچاہٹ چند ثانئے طویل ہو گئی۔ اب دروازے پر زوردار ضربیں پڑنی شروع ہو گئی تھیں۔ دروازے کے کونے کی کنڈیاں اکھڑ رہی تھیں۔ ولادی موف کے ہاتھ میں چائے کی پیالی اندر سینے میں دل کانپ رہا تھا۔ بزور دروازہ ایک شخص اندر داخل ہوا۔

"میرا نام لیفٹیننٹ کرنل ڈولینکی ہے۔ میں کے جی بی سے آیا ہوں" اجنبی نے مسکراتے ہوئے کہا — اور اس کے بعد جیل کا سفر شروع ہوتا ہے۔ کے جی بی کی ابتدا اور ولادی موف کے اختتام کی ابتدا۔

چیف گائیڈر علیوف کو نائب وزیراعظم کے عہدے پر ترقی دے دی گئی ہے۔

آندروپوف کی نئی تقرریاں اس بات کی غماز ہیں کہ وہ چاہتے ہیں کہ ملک کی زمام کار کے جی بی کے آدمیوں کے ہاتھوں میں بلاواسطہ دیدیجائے چنانچہ — — —

— ادیبوں پر نیا دباؤ ڈالا جارہا ہے کہ وہ روس کی داخلی پالیسیوں کی حمایت سے باز رہیں۔

— پولیس کو مضبوط کیا جارہا ہے۔

— کمیونسٹ ممالک میں فوج اور سیکورٹی فورسز پر انحصار بڑھتا جارہا ہے۔

— ہر کارخانے میں کے جی بی کا ایک چھوٹا آفس قائم کردیا گیا ہے تاکہ ناپسندیدہ افراد کی اسکریننگ کی جاسکے لیکن تمام معاملات میں آندروپوف کے زمانے کے جی بی کی طرح ایک احتیاط برتی جارہی ہے درجو بھی اس قسم کے کام کئے جائیں ان کی کسی کو کانوں کان خبر نہ ہونے پائے چنانچہ ایسی کارروائیاں پڑوسیوں کی بے خبری میں رات کے عالم میں ہوتی ہیں اور ان کا سراغ بھی باقی نہیں رہنے دیا جاتا۔

داخلی محاذ پر مکمل طور پر کامیاب کے جی بی، اپنے بیرونی محاذ پر بھی کچھ کم کامیاب نہیں ہے، کینیڈا، امریکہ، مشرقی یورپ کے ممالک، افریقہ اور ایشیائی ممالک میں اس کی سرگرمیاں بڑھتی ہی چلی جارہی ہیں حتیٰ کہ عین سی آئی اے میں اس کے ایجنٹ کام کررہے ہیں اور امریکہ کو خبر

کے جی بی کے سربراہ شبریکوف، پولیس کے سربراہ فیدورشک سے مصروفِ گفتگو

> تبدیلیاں وہاں مشکل ہوتی ہیں جہاں ادارے قائم ہوں

آندروپوف کیا کریں گے؟
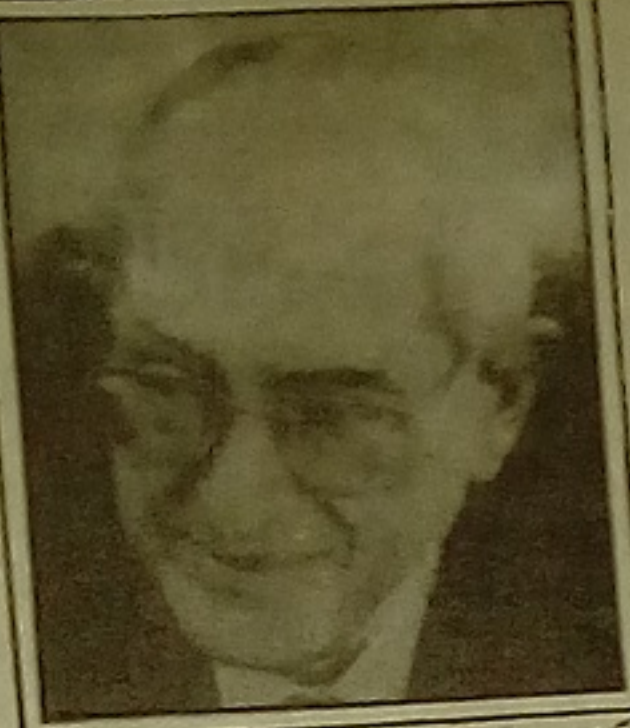
جھکی ہوئی ٹھوڑی، شاید کسی زخم کے نتیجے میں دائیں چشم کا ابرو کچھ اٹھا ہوا، درمیانی آواز، نہ کمزور نہ بہت زیادہ جسمانی طور پر طاقتور، ملنے جلنے میں آداب کا خیال، سفید بال، مصافحوں میں مضبوط گرفت، نہ بہت دبلا نہ بہت موٹا دوسرے روسی لیڈروں کی طرح شاید قد ۵ فٹ دس یا گیارہ انچ کے درمیان، ایک سو اسی پونڈ وزنی، تعلیم نامعلوم مگر یہ پتہ ہے کہ وہ ہائی اسکول مکمل نہیں کر سکے یہ بھی نہیں معلوم کہ ان کی بیوی زندہ ہے یا مر چکی ہے، انگریزی سمجھتے ہیں یا نہیں، کچھ پتہ نہیں ہاں ان کا بیٹا انگریزی بولتا ہے بیٹی ایک روسی ثقافتی پرچے میں مضمون لکھتی ہے اور ہاں انہیں تھیٹر یا میوزیم میں کبھی نہیں دیکھا گیا۔

جب چلتے ہیں تو سستی کا تاثر ابھرتا ہے، عوامی منظر سے ماضی میں بہت عرصہ غائب رہے، شاید دل کی تکلیف رہی ہوگی، برزنیف سے زیادہ چست اور صحت مند لگتے ہیں فی الحال سیکریٹری شلٹز اور جارج بش نائب صدر امریکہ سے ملاقات کے دوران سبھی نے یہ محسوس کیا کہ آندروپوف اپنی عمر سے کم اور چست لگ رہے ہیں اور ایسا تاثر دے رہے تھے کہ جیسے وہ کمانڈ کر رہے ہوں! لوگ انہیں ملیں

تو آندروپوف انہیں خوفزدہ نہیں کرتے اپنے ماضی میں کھیلوں میں حصہ لینا شامل نہیں ہے

ان کی عادتیں مکمل شہری ہیں، جبکہ برزنیف اور خروشچیف پس منظر میں دیہاتی لگتے تھے، دوسری جنگ عظیم میں انہوں نے کیا کیا، کوئی کچھ نہیں جانتا البتہ لینن گراڈ کی جنگ عظیم میں انہوں نے خوب حصہ لیا، آندروپوف لوگوں کو قریب نہیں آنے دیتے، آندروپوف کی شخصیت کے گرد مقبولیت یا کشش کا کوئی ہالہ نہیں ہے اور وہ ٹیلی ویژن کو اپنے پہلے لیڈروں سے بہت کم استعمال کر رہے ہیں لوگوں کا تجسس بہت سی چیزیں ابھی اور سامنے لائے گا مگر یاد رکھئے ان کا ماضی اتنا مدھم اور دھندلا ہے کہ اس سلسلے میں صرف کہانیاں ہی بن سکتی ہیں۔ کون جانے وہ کیسے ہیں اور کیا کریں گے؟

گئی ہے۔

اس ساری صورت حال کے حوالے سے آندروپوف کو سمجھنا آسان ہے کیونکہ آندروپوف اپنی [illegible] کے عہدے کی ملازمت کی بنا پر شاید روس کے ہر فرد کے بارے میں سب سے زیادہ باخبر آدمی ہیں اور انہیں کسی طرح بھی دھوکا نہیں دیا جا سکتا اور نہ ہی ان سے کسی نرمی کی توقع کی جا سکتی ہے، ہو سکتا ہے کہ وہ ظاہری طور پر نرم تو نظر آئیں، مگر پندرہ سال کی تربیت ان کی ذات میں سے ذرا کر یا نہیں پھینکی جا سکتی اور یہ بھی کوئی مشکل امر نہیں، حکومت کرنے کے لیے خوف کو استعمال کرنا بڑی

بڑی بات ہے مگر کیا کریں کہ سب سے کامیاب ہتھیار بھی یہی ہے۔

مغرب کے کسی ایئرکنڈیشنڈ یورپی شہر میں بیٹھا کسی تجزیہ نگار بڑی غلطی کرے گا اگر وہ یہ فرض کرے گا کہ برزنیف کے جانے کے بعد روس کی پالیسی میں کوئی ہمہ گیر تبدیلی پیدا ہو سکتی ہے، تبدیلیاں وہاں مشکل ہوتی ہیں جہاں ادارے قائم ہوں، ضروری نہیں کہ یہ ادارے اچھے ہی ہوں، ادارے چاہے برے بھی ہوں، انہیں ہلانا، مٹانا، تبدیل کرنا مشکل ہوتا ہے، آندروپوف کے آنے کے بعد روس کے عزائم میں فرق نہیں پڑا اور نہ اس کے بین الاقوامی نظام کے بارے میں نقطۂ نظر میں کوئی تبدیلی آئی ہے اور ایک فولادی نظام میں آندروپوف چاہے جتنے ہی طاقتور کیوں نہ ہوں، اسے ہلا نہیں سکتے، مٹا نہیں سکتے اور پھر سب سے بڑھ کر یہ کہ کیا وہ اپنے ماضی، اپنی تربیت اور ذات سے لڑ سکتے ہیں؟؟؟

ع نہ ہی لے نہ تم بدلے، نہ دل کی آرزو بدلی
میں کیونکر اعتبار انقلاب آسماں کر لوں

ملک نہیں۔ کے جی بی سے بھاگے ہوئے ایک ایجنٹ ایلکسی میگاف نے بتایا کہ صرف مغربی جرمنی میں ۷۲ - ۱۹۶۹ء میں پندرہ سو سے زائد ایجنٹ تیار کئے گئے۔ کے جی بی اپنے غیر ملکی ایجنٹوں کو پندرہ ہزار ڈالر سے ساٹھ ہزار ڈالر تک ادائیگی کرتی ہے اور ان کے ذریعے معلومات حاصل کرتی ہے۔

بہت سی ایسی سائنسی ٹیکنالوجی جو امریکہ، روس کو براہ راست بیچنے کے حق میں نہیں تھا روس نے اپنے [illegible] کی معرفت سستے داموں خرید لی ہے۔

اس وقت دوسرے ملکوں میں کام کرتے ہوئے دہشت پسند گروہ جس میں ریڈ بریگیڈ آف اٹلی، تنظیم آزادی فلسطین وغیرہ شامل ہیں ان کی ابتدائی تربیت روس میں ہوئی ہے۔

اس بات کا دستاویزی ثبوت موجود ہے کہ پی ایل او کے تین ہزار حریت پسند روس میں تربیت پا چکے ہیں۔

کئی دفعہ کے جی بی اپنے مخالفین کو زیر کرنے کے لیے دلچسپ طریقے بھی اختیار کرتی ہے، مثلاً قاہرہ، واشنگٹن تعلقات خراب کرنے کے لئے امریکی لیٹر ہیڈوں پر ایسے خطوط تقسیم کروائے گئے جس میں مصریوں کے بارے میں شکوک کا اظہار کیا گیا تھا، ایسے حربے اور لٹریچر کا استعمال دو ملکوں کے درمیان کئی دفعہ بہت سی غلط فہمیوں کا پیش خیمہ ثابت ہو سکتا ہے۔

اسکے علاوہ دنیا کے طول و عرض میں پھیلے ہوئے کے جی بی ایجنٹ روس کی اعلیٰ ملازمتوں پر متعین افراد ہوتے ہیں جو اپنی ملک کی پالیسیوں کی بنیاد پر کام کرتے ہیں، روسی سفارتخانے میں بعض اوقات نصف سے زائد تعداد کے جی بی کے افراد کی ہو سکتی ہے اور دیکھی

تین برس پہلے اس کے گھر
میں ہونے والی کے جی بی
کی واردات نے اسے ہلا کر رکھ دیا

سندھ کا پس منظر، صورت حال اور اس کے حل پر سیمینار

جناب عثمان اجمیری صاحب حیدرآباد پریس کلب کے صدر ہیں۔ آپ کا مضمون بے نظیر حکومت کے خاتمہ سے قبل موصول ہوا تھا۔ مضمون کا بیشتر حصہ اس وقت کی حکومت سے متعلق لکھا ہے۔ لیکن چونکہ حقائق پر مبنی ہے اس لئے اس کو شاملِ اشاعت کیا جاتا ہے۔

وفاقی وزارت اطلاعات و نشریات حکومت پاکستان کی جانب سے سندھ کی موجودہ صورت حال پر کراچی شیرٹن ہوٹل میں ۱۸ اور ۱۹ جولائی کو ایک سیمینار کا انعقاد کیا تھا جس میں پورے پاکستان سے زندگی کے مختلف شعبہ ہائے سے تعلق رکھنے والے تقریباً ۲۰۰ نمائندوں نے اس میں شرکت کی تھی بنیادی طور پر کسی شخص کو بھی اس بات سے انکار نہیں ہوگا کہ صورت حال کو بہتر بنانے کے لئے ہر ممکن وسائل و ذرائع کو استعمال کیا جائے تاکہ سندھ کی صورت حال بہتر ہو اس لحاظ سے وفاقی وزارت اطلاعات و نشریات کے سیکریٹری جناب شاہجہاں کریم کی یہ کوشش قابل ستائش ہیں کہ انہوں نے مختلف شعبوں سے تعلق رکھنے والے افراد کو ایک جگہ جمع کر کے یہ موقع فراہم کیا کہ لوگ اب کیا سوچتے ہیں راقم الحروف بھی حیدرآباد سے ایک مندوبین کی حیثیت سے اس سیمینار میں شریک تھا۔ اس موقع پر سندھ کے بارے میں لوگوں کے خیالات سننے کا موقع ملا اور اپنے شہر کے دکھڑے بھی سنانے کا موقع ملا جب راقم الحروف اپنے ساتھی علی حسن کے ساتھ اس سیمینار میں شرکت کے لئے جا رہے تھے تو ہم یہ محسوس کر رہے تھے کہ ہم اس سیمینار میں شرکت کرنے جا رہے ہیں جہاں پر سندھ کی صورت حال کے ساتھ ساتھ حیدرآباد جہاں پر گذشتہ ۲ سالوں کے دوران جو کچھ بھی یہ واقعات ہوئے ہیں اور اس عرصہ میں سیکڑوں اموات ہوئی اور لوگوں نے جام شہادت نوش کیا۔ خاص طور پر ۲۶ اور ۲۷ مئی کو شہر میں پولیس آپریشن کی آڑ میں جو گھناؤنا کھیل کھیلا گیا اور خواتین کے ساتھ جس بربریت کا اظہار کیا گیا میرا قلم اس کو تحریر کرنے سے قاصر ہے اور ان ہی واقعات پر حیدرآباد شہر جس کو میں "الٹے لٹکے بجھے بکھرے ... داموں کا شہر" کہا کرتا ہوں جس کو نہ صرف ملکی سطح پر بلکہ پوری دنیا کی پریس یہ جاننے کے لئے ان کے نمائندوں نے حیدرآباد شہر کا وقفہ وقفہ سے دورہ کیا اور جو دیکھا اس پر اپنے تبصرے شائع کئے۔ ظاہر ہے کہ سندھ سیمینار میں حیدرآباد کے مسائل کو حل کرنے پر ضرور خصوصی بات کی جائے

تحریر: عثمان اجمیری

گی جہاں کے لوگ مسلسل کرفیو اور پرتشدد واقعات کی وجہ سے معاشی طور پر ختم ہو گئے ہیں ہم نے اس سیمینار میں ۲ روز دنوں میں ہونے والے چاروں سیشن میں پابندی کے ساتھ شرکت کی لیکن یقین جانئے مقررین نے رواتی طور پر کسی نے حیدرآباد کا ذکر ضرور کیا لیکن وہ بھی بہت کم مقررین نے جب سیمینار میں ہم نے یہ محسوس کیا کہ معلوم نہیں کیوں لوگوں کو حیدرآباد کے شہریوں کے ساتھ دلچسپی یا ہمدردی نہیں ہے ممکن ہے انہیں ان حالات کا معلوم نہیں ہو کہ حیدرآباد کے لوگ کس کرب کی زندگی گزارنے پر مجبور ہو گئے ہیں۔ میرے ساتھی

جناب علی حسن نے اپنی تقریر میں مندوبین کو تمام صورت حال سے آگاہی کی۔ راقم الحروف نے بھی اپنی تقریر میں واضح طور پر یہ کہنے پر مجبور ہو گیا کہ گذشتہ ۲ سالوں کے واقعات کے بعد بھی حکومت اور سیاسی پارٹیوں کے قائدین کے رویہ کے بعد اب تو یہ ہی کہا جا سکتا ہے کہ "حیدرآباد شہر کو پاکستان کے نقشے سے نکال دیا گیا ہے"۔

ہندوستان سے ہجرت کر کے آنے والے مسلمانوں کو یہ بات کہی جا رہی ہے کہ وہ سندھ میں سندھی بن کر رہیں بالکل صحیح بات ہے جو سندھ میں رہتا ہے وہ پاکستانی کے ساتھ ساتھ سندھی بھی ہے اس سے کون اعتراض کر سکتا ہے۔ لیکن میں ان لوگوں سے یہ معلوم کرنا چاہوں گا کہ وہ کون سا آلہ ہے جس سے ہمارے سندھی بھائی مہاجرین کو سندھی تصور کرے۔

جب کہ حقیقت یہ ہے کہ جب مہاجر سندھ میں آکر آباد ہوا تو اس وقت سے لے کر آج تک سندھی بھائیوں کے ساتھ سیاسی، سماجی اور معاشرتی حیثیت میں ان کے ساتھ نہ صرف رہے ہیں بلکہ اس کا عملی مظاہرہ بھی کیا گیا۔

شادیاں سندھی اور مہاجروں کے درمیان ہونے لگی جس کا اگر سروے کیا جائے تو لاتعداد ایسی مثالیں ملیں گی اگر شوہر سندھی ہے تو بیوی مہاجر ہے اور اگر شوہر مہاجر ہے تو بیوی سندھی ہے۔ یہ تو کہا جاتا ہے کہ مہاجر سندھی نہیں۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ مہاجر کو اس آلہ کی تلاش ہے کہ جس سے سندھی بھائی مہاجر کو سندھی تصور کریں دوسری طرف اگر جائزہ لیا جائے کہ لفظ مہاجر کیوں ذہن میں آیا ہے۔ مہاجر

جو سندھ میں رہتا ہے وہ پاکستانی کے ساتھ ساتھ سندھی بھی ہے! اس پر کون اعتراض کر سکتا ہے

بنانے والے اور ایم کیو ایم کے قیام کے ذمہ دار بھی ہمارے سندھی بھائی ہیں۔ کیونکہ جب مہاجر طالب علم جب تعلیمی اداروں میں داخلے کے لئے گیا تو وہاں پر اس پر یہ کہہ کر تشدد کیا گیا اور اس کو ان القاب سے پکارا گیا کہ تم مکڑ ہو۔ تلیر ہو اور مہاجر ہو جب مسلسل یہ واقعات کثرت سے ہونے لگے تو مہاجر یہ سوچنے پر مجبور ہو گیا۔ سندھی ہمیں تصور نہیں کیا جاتا ہے۔

اگر مہاجر کے ساتھ یہ رویہ اختیار نہ کیا جاتا تو میں نہیں سمجھتا کہ لفظ مہاجر یا ایم کیو ایم کا قیام عمل میں آتا۔ دوسری جانب سندھ کی حکومتوں کے رویہ کا اندازہ لگائیں کہ ایک جانب تو حکومت بھی یہ بات کہتی ہے کہ مہاجر سندھی بن جائیں۔ لیکن عمل کچھ اور ہے اگر واقعی میں حکومت ان معاملات میں مخلص ہے یا تھی تو اس کو بھی اس جانب پیش رفت کرنی چاہئے مثلاً سندھ کے سابق وزیر اعلیٰ جناب سید قائم علی شاہ نے سندھ میں ۳۵ ہزار نئی نوکریوں کا اجراء کیا تھا۔ اگر وہ مہاجر کے ساتھ واقعی مخلص تھی تو اس موقع پہ حکومت سندھ کی جانب سے یہ اعلان کیا جاتا کہ ۳۵ ہزار نوکریوں میں سے دس ہزار نوکریاں ہمارے اردو بولنے والے سندھیوں کے لئے مخصوص کی گئی ہیں لیکن ایسا نہیں کیا گیا اس کے برعکس ۳۵ ہزار نوکریوں میں سے پورے سندھ میں دو سو نوکریاں مہاجروں کو دی گئیں۔ جبکہ سندھ میں آباد پنجابیوں اور پختونوں کو کوئی نوکری نہیں دی گئی۔ یہ کیا منافقت ہے۔ کہتے کچھ ہو اور عمل کچھ اور کرتے ہو۔

۲۷ مئی اور ۲۸ مئی کے بعد کے واقعات جن میں بم کے دھماکے اور سیکڑوں افراد کی اموات، زخمیوں کے علاوہ اندرون سندھ سے ہزاروں کی تعداد میں نقل مکانی کر کے آنے والے خاندان جو کسمپرسی کی حالتوں میں ان کیمپوں میں زندگی گزار رہے ہیں۔ ان کی کسی نے خبر نہیں لی۔ صدر مملکت غائب، وزیر اعظم غائب، وزیر اعلیٰ سندھ ان کے وزراء غائب۔ اگر بھولے سے کوئی آ بھی گیا تو یہ بات ریکارڈ پر موجود ہے کہ وہ صرف ایک طبقے کی خبر گیری کرنے گئے ہیں۔ حکومت سندھ کی طرف سے جو بھی امداد دی گئی وہ ایک طبقے قاسم آباد میں گئی ہیں اور اس کی باقاعدہ خبریں محکمہ اطلاعات کے ذریعہ اخبارات کو تصاویر کے ساتھ ارسال کی گئی۔

قابل ذکر بات یہ بھی ہے کہ جب ۳۰ جون کو وزیر اعظم حیدرآباد کے دورے پر تشریف لائے

عبدالقادر حسن کو سندھ پر کالم لکھتے ہوئے
حیدرآباد میں بہتے ہوئے خون کا خیال نہیں آیا؟

تو پریس کانفرنس کے اختتام پر راقم الحروف اور دیگر ساتھیوں نے وزیر اعظم کی توجہ اس جانب مبذول کرائی کہ وزیر اعظم حکومت سندھ کی جانب سے جو بھی امداد دی گئی ہے وہ صرف قاسم آباد گئی ہے۔ پھلیلی، قلعہ، یا لطیف آباد نہیں گئی ہے اور وزیر اعظم کو یہ بھی بتایا گیا تھا کہ آپ اپنے صوبائی وزراء سے کہیں کہ وہ مہاجروں کے علاقوں میں بھی جایا کریں جس پر وزیر اعظم نے ہماری موجودگی میں صوبائی وزیر اطلاعات جناب نوید قمر کو طلب کیا اور انہیں کہا کہ آپ صرف قاسم آباد کیوں جاتے ہیں۔ دوسرے علاقوں میں جایا کریں لیکن آج تک سندھ کے کسی صوبائی وزیر نے یہ زحمت گوارہ نہیں کی کہ وہ پھلیلی، پریٹ آباد، اور لطیف آباد کے متاثرین کے پاس جاکر ان کے زخموں پہ مرہم لگاتے، سونے پہ سہاگہ یہ کہ جب وزیر اعظم نے امدادی کیمپوں کے لئے ۲ کروڑ روپے کی امداد بھیجی تو یقین کریں کہ وہ بھی

۳۵ ہزار نوکریوں میں سے صرف ۲۰۰ نوکریاں مہاجروں کو دی گئیں؟

امداد قاسم آباد میں دی گئی اور اس کا باقاعدہ اعلان سرکاری ہینڈ آؤٹ کے ذریعہ کیا گیا جو اخبارات میں شائع ہوا ہے اس موقع پہ میں صرف یہ بھی عرض کر سکتا ہوں۔

بنے ہیں اہل ہوس مدعی بھی منصف بھی
کسے وکیل کریں کس سے منصفی چاہیں

یہ وہ احساسات تھے جو میں نے سندھ سیمینار کراچی میں اپنی تقریر کے دوران کہے تھے۔ اس سیمینار میں ہمارے محترم بزرگ کالم نویس جناب عبدالقادر حسن اور دیگر ملک کے ممتاز اخبار نویس بھی موجود تھے۔ سیمینار کے وقفوں میں جناب عبدالقادر حسن سے راقم الحروف اور میرے ساتھی علی حسن کی کئی ملاقاتیں اور تبادلہ خیال بھی ہوا ہے ہم نے ذاتی طور پہ ان سے گذارش کی تھی کہ حیدرآباد کے ساتھ گذشتہ ۲۰ سالوں سے جو کچھ رویہ مرکز اور صوبے اور سیاست دانوں نے اختیار کیا ہوا ہے آپ حیدرآباد کے بھوسی ٹکڑے والے لوگوں کو نظر انداز نہ کریں کیونکہ ان الٹے تلٹے لوگوں کا صرف قصور یہ ہے کہ وہ پاکستان سے محبت کرتے ہیں اور ملک دشمن قوتوں کے سامنے پاکستان کے تحفظ اور سالمیت کے لئے اپنی جانوں کا نذرانہ دینے کے بعد بھی حوصلہ نہیں ہارے ہیں اور اب تک پاکستان کے لئے جذباتی حد تک مزید قربانیاں دینے کا جذبہ لئے بیٹھے ہیں۔ اگر جناب محترم ان کے زخموں پہ الفاظوں کا مرہم ہی لگا دیتے تو ان بھوسی ٹکڑے والے شہریوں کے زخموں کی شدت میں کچھ کمی آ جاتی۔

لیکن جناب محترم عبدالقادر حسن صاحب نہایت ادب کے ساتھ یہ گستاخی کر رہا ہوں کہ سندھ سیمینار کے حوالے سے جو کالم آپ نے تحریر کئے ہیں اس میں سندھ کے حوالے سے آپ کو اپنے گاؤں کے مسائل تو ضرور یاد آئے جس کے وہاں پہ پانی نہیں ہے اور یہ ذکر اکثر آپ اپنے کالموں میں کرتے رہتے ہیں لیکن سیمینار میں حیدرآباد کے حالات جاننے کے بعد بھی سندھ کے حوالے سے کالم میں حیدرآباد کے ان سیکڑوں شہیدوں کے خون کی چمک آپ کو یاد نہیں آئی جنہوں نے صرف اور صرف پاکستان کے لئے ملک دشمن قوتوں کے ہاتھوں اپنے خون کا نذرانہ دیا ہے۔ سیکڑوں عورتیں بیوہ ہوئیں۔ بچے یتیم ہوئے۔

جناب محترم کیا اب اس میں کچھ حقیقت نظر آ رہی ہے کہ واقعی میں "حیدرآباد شہر کو پاکستان کے نقشے سے نکال دیا گیا ہے"۔ سندھ اس وقت تباہی کے دھانے پر کھڑا ہوا ہے۔ فوج نے کسی نہ کسی حد تک امن و امان کی صورت حال کو بہتر کیا ہے۔ لیکن وہ عارضی حل ہے یہ کوئی مستقل اور پائیدار بات نہیں ہے کیونکہ فوج کی موجودگی ایک ایسے انجکشن کے مانند ہے۔ جو ایک ذیابیطس کے مریض کے لئے انسولین کا انجکشن کا ہوتا ہے کہ جب تک ذیابیطس کے مریض کو انسولین انجکشن لگتا رہے گا۔ وہ صحیح

باقی صفحہ ۵۰ پر

جموں و کشمیر لبریشن فرنٹ کے چیئرمین ڈاکٹر فاروق حیدر کی نمائندہ "احوال" سے گفتگو

احوال : خود مختار کشمیر کی عبوری حکومت کے قیام کے مقاصد کیا تھے اور کیا اس کا قیام موجودہ حالات میں ناگزیر تھا ؟

فاروق حیدر : امان اللہ نے مظفر آباد فون کیا کہ وہ کوئی اہم ترین اعلان کرنے والے ہیں مگر اس کی تفصیل وہ فون پر نہیں دے سکتے ، میں ایک اہم قدم اٹھانے والا ہوں آپ کی رائے درکار ہو اور جب ممکنہ اقدام کی تفصیل پر زور دیا تو کہا گیا کہ فون پر بات کرنے سے تحریک کو نقصان پہنچنے کا خدشہ ہے ، ہم نے تجویز دی کہ اگر کوئی اہم ترین فیصلہ کرنا ہے تو سنٹرل کمیٹی کے ارکان فوری طور پر مظفر آباد پہنچ سکتے ہیں ، مگر امان اللہ کا اصرار تھا کہ اب اس کا وقت نہیں رہا اور پھر انہوں نے خود مختار کشمیر کی عبوری حکومت کا اعلان کیا ۔ آزادی کے اعلان سے کسی کو اختلاف نہیں ، یہ ہمارا منشور ہی تھا مگر امان اللہ جن حالات و واقعات میں یہ اقدام کیا وہ بلاجواز ہے انہیں اتنے اہم فیصلے پر ساتھیوں سے ضرور مشورہ کرنا چاہیے تھا ۔

احوال : ہنگامی حالت میں خود مختار عبوری حکومت کی کوئی تو وجہ ضرور ہو گی ؟

فاروق حیدر : ہمارے بے حد اصرار پر امان اللہ کا جواب تھا کہ باہر کے کسی ملک سے خبر ملی ہے کہ جماعت اسلامی عبوری حکومت کا اعلان کرنے والی ہے اور یہی بات سمجھنے میں ہمیں دشواری ہے کہ باہر کے ملک سے اگر مظفر آباد میں فون پر عبوری حکومت کے بارے میں امان اللہ کو پورا واقعہ سنایا جا سکتا تھا تو پھر یہ باتیں فون پر راولپنڈی کے ساتھیوں کو بتانے میں کیا امر مانع تھا ۔

احوال : وزارتی کونسل پر آپ کا تبصرہ ؟

فاروق حیدر : وزارتی کونسل کے ایک وزیر کا ڈیڑھ برس قبل انتقال ہو چکا ہے جو جموں کے پریم ناتھ کا بیٹا تھا ۔ کرن سنگھ بھی وزارتی کونسل میں شریک ہیں حالانکہ دو ماہ قبل تک یہ بھارتی سفارتکار تھا ۔ کرن سنگھ کے باپ نے جموں کے مسلمانوں کا وسیع پیمانے پر قتل عام کیا ، اسکے دادا نے پونچھ کے مسلمانوں کی عزتیں اتاری تھیں ایسے بدنام زمانہ خاندان کے افراد کو وزارتی کونسل میں شامل کرنا تحریک حریت کے ساتھ شرمناک سلوک ہے ۔

احوال : آخر عبوری حکومت کے نقصانات کیا ہیں ؟

فاروق حیدر : بھارت موجودہ حالات میں چاہتا تھا کہ کسی طرح حریت پسندوں کی جدوجہد کو کاؤنٹر کر دیا جائے ، بھارت نے اس مقصد کے لئے پیسہ پانی کی طرح بہایا ، اس نے کوشش کی کہ گوریلا جنگ لڑنے والی تنظیموں میں غلط فہمیاں پیدا کر کے اختلافات کو جنم دیا جائے ، بھارت کا

یہ تجزیہ ہے کہ کشمیر کی تحریک آزادی کو ناکام کرنے کیلئے اس کے سوا کوئی چارہ نہیں کہ تنظیموں کو آپس میں لڑا دیا جائے اور پھر امان اللہ نے وہ بات کر دی جو بھارت کے حق میں جاتی ہے اور اس سے کشمیریوں کو قطعی کوئی فائدہ نہیں ، مزید برآں دیگر جماعتوں کے کارکن جو پہلے ہی خود مختار کشمیر کے حامی نہیں اس اعلان کے بعد ان میں بھی غم و غصہ کی لہر آ گئی ہے ۔

احوال : مقبوضہ کشمیر میں بھارت کے خلاف مصروف جہاد بیشتر جماعتیں الحاق پاکستان کے حق میں ہیں ، جبکہ آپ خود مختار کشمیر کے فلسفے کے حامی ہیں ایسا کیوں ہے ؟

فاروق حیدر : مستقبل میں بھی آپ دیکھیں گے کہ یہی حزب المجاہدین والے جب اگلے دور میں شدید ظلم و بربریت کے کڑے امتحان سے گذریں گے تو پھر یہ بھی خود مختاری اور آزادی کی باتیں کریں گے ابھی ان پر وہ مرحلہ نہیں آیا ، بھارت کو آج کل جن حالات کا سامنا ہے وہ اس کا ہرگز متحمل نہیں ہو سکتا ، آزادی کے لئے گوریلا جنگ ناگزیر ہوتی ہے ، دنیا میں جتنی بھی گوریلا لڑائیاں لڑی گئی ہیں ان کا مقصد صرف "آزادی" ہی رہا ہے ۔

کسی ملک سے الحاق کے لئے گوریلا وار ہوتی ہی نہیں، ہماری جانوں کی قربانی دینے والی قوم الحاق کی بات نہیں کیا کرتی۔ بے نظیر بھٹو کے والد مرحوم ذوالفقار علی بھٹو نے خود منگلا میں کہا تھا کہ جو قومیں آزادی کی جنگ لڑا کرتی ہیں وہ پھر کسی سے الحاق نہیں کیا کرتی ہیں !!!

احوال : اقوام متحدہ میں تو پاکستان یا بھارت سے الحاق کی بات کی گئی ہے مگر آپ خود مختاری کے فارمولے پیش کر رہے ہیں؟

فاروق حیدر : قانون آزادیٔ ہند کو واضح طور پر دو حصوں میں تقسیم کیا گیا جس میں برٹش راج اور پرنسلی اسٹیٹس کو دو الگ کیٹگریوں میں رکھا گیا۔

(۱) برٹش راج کے بارے میں یہ وضاحت کر دی گئی کہ مسلمان علاقے پاکستان بن جائیں گے تو دیگر اقوام بھارت کا حصہ تصور ہوں گی۔

(ب) پرنسلی اسٹیٹس کے بارے میں کہا گیا کہ انہیں اختیار حاصل ہے کہ پاکستان یا بھارت میں شامل ہو جائیں یا اپنی خود مختاری کو مستحکم کر لیں کانگریس کا اس ضمن میں موقف یہ تھا کہ ریاستوں کے باشندوں کو صرف یہ حق دیا جائے کہ وہ فیصلہ کریں کہ وہ کہاں جانا چاہتے ہیں، مگر قائد اعظمؒ نے اس نظریئے کی شدید مخالفت کی۔ ان کا یہ فیصلہ بالکل صحیح تھا کیونکہ بیشتر ریاستی حکمران بھارت سے خائف تھے، اگر انہیں منصفانہ فیصلہ کرنے کا موقع دیا جاتا تو وہ بھارت کی بجائے پاکستان سے الحاق کا فیصلہ کرتے، مگر وائسرائے ماؤنٹ بیٹن نے پاکستان اور مسلمانوں کے خلاف ایک اور یہ سازش کی کہ ریاستی حکمرانوں کو پاکستان سے الحاق کرنے سے باز رہنے کی کھلے بندوں کو دھمکی دی وگرنہ اس وقت صورت حال ایسی تھی کہ جودھپور اور حیدر آباد نے آزادی کا اعلان کر دیا تھا راجستھان کی ریاستوں نے بھی خود مختاری کا اعلان کیا تھا راجستھان کی ریاستوں کی متحدہ یونین نے پاکستان سے الحاق کیلئے قائد اعظمؒ سے رجوع بھی کیا مگر وائسرائے نے ذاتی اثر و رسوخ استعمال کیا اور راجاؤں کو ایسا کرنے سے باز رہنے کا حکم دیا۔

علاوہ ازیں کوچ بہار بھی آزادی کی طرف جا رہی تھی، کشمیر کے راجہ نے بھی بھارت سے الحاق کا اعلان نہ کیا، اگر آپ پرنسلی اسٹیٹس کے نقشہ کا

کیا پاکستان یہ گوارا کرے گا
کہ بھارتی فوج کوہالہ،
گلگت اور جی۔ ٹی۔ روڈ
تک آجائے؟

بغور جائزہ لیں تو بھارت کا ون تھرڈ ہی پرنسلی اسٹیٹس ہیں اور اگر انہیں بھارت سے الگ کر دیا جائے تو بھارت کی پوزیشن خطے میں کیا رہ جاتی ہے؟

بیشتر ریاستیں بعد ازاں اس بنا پر بھارت کے ساتھ چلی گئیں کہ پاکستان بھارت سے آنے والے بدحال مہاجروں کو سنبھال نہ سکا، اگر مسلم لیگ کی قیادت اس وقت کے آنیوالوں کو بہتر ایڈجسٹ کرتی تو آج بھارت کا نقشہ کچھ اور ہی ہوتا۔

احوال : تو پھر کشمیر کے راجہ نے الحاق بھارت کا جو اعلان کیا اسے آپ کیا سمجھتے ہیں؟

فاروق حیدر : مہاراجہ نے از خود بھارت سے الحاق کر لیا مگر پنڈت نہرو کو مشکل یہ پڑی کہ اس نے خود یہ اعلان کر دیا کہ جنگ کے بعد کشمیر کے لوگ الحاق کا فیصلہ کریں گے اگر نہرو یہ نہ کہتا تو آئینی طور پر کشمیر کا بھارت سے الحاق ہو چکا تھا۔

احوال : یو این او کی قرارداد والی بات تو بیچ میں ہی رہ گئی؟

فاروق حیدر : یہ قرارداد پاکستان بھارت جنگ سے معرض وجود میں آئی، قانون آزادیٔ ہند اور یو این او کی قرارداد میں سے کونسی شے زیادہ وزنی اور معقول ہے اس کا فیصلہ آپ خود کر لیں ویسے بھی یو این او کی جن قراردادوں کا بڑا چرچا کیا جاتا ہے ان میں تو یہ طے کیا گیا

کشمیر آزاد بھی ہو جائے
تو پاکستان
کی جیب سے نہیں
نکل سکتا؟

ہے کہ پاکستان کی ساری افواج اور سول ملازمین کشمیر چھوڑ دیں۔ انڈیا کی بیک آف آرمی جس کی تعداد پچاس سے ساٹھ فیصد ہے وہ وہاں سے نکل جائے اور اس میں سری نگر کی حکومت کو بھی تسلیم کیا گیا ہے اور اسے اختیار دیا گیا ہے کہ وہ بھارتی افواج اور سول سروسز کے اشتراک سے استصواب رائے کرائے تو کیا کوئی پاکستانی یہ گوارا کریگا کہ بھارتی افواج کوہالہ، گلگت اور ہماری جی ٹی روڈ تک آجائیں۔

علاوہ ازیں قرارداد میں پاکستان فریق ہے کشمیری نہیں، لیکن جب یہ گوریلا جنگ مزید وسعت اختیار کریگی تو اس کا منطقی نتیجہ یو این او کی قراردادوں سے ہٹ کر برآمد ہو گا پاکستان کی حکومت اپنے طور پر بھارت کو استصواب رائے پر رضامند کر لے، مگر جب ۱۹۴۷ء میں جنگ بندی ہوئی تو جنگ کشمیریوں نے لڑی مگر جنگ بندی کرنے میں کوئی کشمیری موجود نہ تھا، ۱۹۶۵ء کے تاشقند معاہدے میں کوئی کشمیری شریک نہ تھا، ۱۹۷۲ء کے شملہ معاہدے میں بھی کشمیریوں کے مستقبل کے فیصلے میں کوئی کشمیری موجود نہ تھا کشمیری ان تمام فیصلوں میں فریق ہیں اور نہ ہی انہیں تسلیم کرتے ہیں پاکستانی حکومت نے کبھی بھی کشمیر کے مسئلے پر کشمیریوں کی رائے نہیں لی۔

احوال : پاکستان میں رہ کر خود مختار کشمیر کی باتیں کرنے کا کیا جواز ہے؟

فاروق حیدر : کشمیر کے بارے میں پاکستانی قوم بڑی مخلص ہے، اس نے بھی بڑی قربانیاں دی ہیں مگر بہت سی حکومتوں نے کشمیر کو ذاتی مقاصد اور اقتدار کے دوام کے لئے استعمال کیا اور اب بھی کر رہے ہیں اگر اب حکومت ہمیں چھیڑے گی تو پنجاب و سرحد کے عوام کے غضب کا شکار ہو جائے گی، آزاد کشمیر اور پاکستانی عوام کی ناراضگی جمہوری تو کیا مارشل لائی حکومت بھی برداشت نہیں کر سکتی۔

بھارت کے خلاف ہماری گوریلا جنگ جاری ہے اور جب وہ یہ دیکھے گا کہ کشمیر اس کے ہاتھ سے نکل رہا ہے تو وہ یہ کبھی نہیں چاہے گا کہ کشمیر کا پاکستان سے الحاق ہو کیا آپ یہ چاہتے ہیں کہ مقبوضہ کشمیر ساری عمر بھارت کے پاس ہی رہے کشمیر کی آزادی اور خود مختاری کے بعد بھارتی ریاستوں پر بھی اثرات مرتب ہونگے اور

ایم۔ ایم حسن تاباں

قیامِ پاکستان میں

علماءِ اہلسنّت کا کردار

آج ۱۴ اگست ہے ہماری آزادی کا دن۔ وہ عظیم دن جب لاکھوں مسلمانانِ ہند نے فرنگی سامراج کا طوقِ غلامی اپنے گلے سے اتار پھینکا اور اپنے لئے دھرتی جہاں پر ایک آزاد اسلامی مملکت "پاکستان" کا قیام عمل میں لائے۔ تشکیل پاکستان کے اسباب وعوامل کا جاننا ہمارے لئے ضروری امر ہے۔ تاکہ ہمیں ان قربانیوں کا احساس ہو سکے جو آج ہم ہوس ونفس کا شکار ہو کر فراموش کر چکے ہیں۔ قارئین چونکہ انگریز نے ۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی کے بعد کل ہندوستان پر قبضہ کر لیا تھا اس لئے اس نے جہاں تاجدار ہند کو "نگوں" بدر کر کے کسم پرسی کی موت مارا وہیں ان حریت پسند علماء کو جنہوں نے انگریزوں کے خلاف جنگ آزادی لڑنے کے فتاوی دیئے تھے۔ کہیں تختہ دار پر چڑھایا تو کہیں انہیں کالا پانی کی سزاؤں اور مصیبتوں سے دوچار کر کے مارا۔ یہ وہ وقت تھا قارئین کہ مسلمانان ہند کے لئے چاروں طرف سے زندگی کے دروازے بند کر دیئے گئے اور تباہی وبربادی کا ایک طویل سلسلہ شروع کر دیا گیا تھا۔ اور یہ سب کچھ فقط انگریز نے اس لئے کیا تھا کہ وہ جانتا تھا کہ چونکہ اس نے مسلمانوں سے حکومت چھینی ہے اس لئے انہیں غم وغصہ بھی جہاں ہے وہیں یہ قوم دنیا کی سب سے بہادر اور ایمان پرور قوم ہے اس لئے کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ دوبارہ ہم سے تخت دہلی یا دوسرے لفظوں میں "سونے کی چڑیا" چھین لیں۔ قارئین، ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کی شمع روشن کر کے درحقیقت تحریکِ پاکستان کی بنیادیں رکھنے والے حقیقت میں وہ علمائے کرام ہی تھے جن میں مولانا فضل حق خیرآبادی، مولانا مفتی عنایت اللہ کاکوری مولانا فیض احمد بدایونی، مولانا امام بخش صہبائی، مولانا کافی مرادآبادی، سید احمد اللہ شاہ مدراسی اور مولانا رضی الدین بدایونی جیسے سیکڑوں مجاہدین آزادی اور سرفروشانِ

> مسلمانوں کو کانگریس کو
> ووٹ دینا حرام ہے
> (آل انڈیا سُنی کانفرنس
> کے بانی مولانا نعیم الدین
> مرادآبادی)

> ہر مسلمان کا فرض
> ہے کہ جنگِ پاکستان
> میں مسلم لیگ کا ساتھ دے
> (خواجہ قمر الدین سیالوی)

اسلام قابل فخر قابل ذکر ہیں۔ مگر افسوس کی انتہا تو یہ ہے آج ان علمائے کرام کی قوم مسلم ہند کے لئے دی جانے والی قربانیوں کا تو ذکر کجا تاریخ میں ان کے نام بھی نہیں لئے جاتے۔ ہاں البتہ وہ دوسرا گروہ جس نے انگریزی سرکار کو تسلیم کیا اس کی خدمات انگریز کو خدمات پاکستان کا روپ دے کر تاریخ کے چہرے کو مسخ کر دیا جاتا ہے اور اولین معماران آزادی مسلم د

پاکستان کے مقابلے میں سید احمد بریلوی اور شاہ اسماعیل شہید کو برصغیر کی کل تحریکات آزادی وملی کا ہیرو بنا دیا جاتا ہے جب کہ یہ دونوں صاحبین کی کل سعی وجہد کا محور انگریز کے بجائے سرحد کے پٹھان اور سکھ رہے ہیں۔ حالانکہ اس وقت جہاد کا فریضہ انگریزوں کے خلاف ادا کرنا چاہئے تھا کیونکہ انہوں نے اسلامی حکومت کو ختم کر کے قوم مسلم کے تشخص وتہذیب وتمدن کو پامال کر کے رکھ دیا تھا۔ قارئین گو میرے مضمون کا مقصد ان دونوں کی تحریک کے گرد احاطہ قائم کرنا نہیں ہے۔ لیکن میری اتنی بات کی تصدیق ہونا بھی ضروری ہے۔ آئیے پاکستان کے مخالفین کے بڑے مولانا حسین احمد مدنی کی یہ تحریر ملاحظہ کریں جس میں وہ اپنے تئیں ان صاحبان کی سعی وجہد کو کس طرح پاک کر رہے ہیں لکھتے ہیں: "سید صاحب کا اصل مقصد ہندوستان سے انگریزی تسلط اور اقتدار کا قلع قمع کرنا تھا۔ جس کے باعث ہندو مسلمان دونوں پریشان تھے اس بناء پر آپ نے اپنے ساتھ ہندوؤں کو بھی شرکت کی دعوت دی۔ اور صاف صاف بتا دیا کہ آپ کا مقصد ملک سے پردیسی لوگوں کا اقتدار ختم کرنا ہے اس کے بعد حکومت کس کی ہوگی۔ اس سے آپ کو غرض نہیں جو لوگ حکومت کے اہل ہوں گے ہندو یا مسلمان وہ دونوں حکومت کریں گے۔"

(نقش حیات: ج ۲: ص ۱۳)

اس کے ساتھ ہی مولانا عبید اللہ سندھی

> مولانا شاہ عبد العلیم صدیقی کے بارے میں مشہور صحافی مختار حسن کی رائے ہے کہ:۔
> انہوں نے تحریک پاکستان کے لئے نمایاں کام کیا اور بیرون ملک مطالبۂ پاکستان کے لئے دورے کیئے۔

قیامِ پاکستان میں علماءِ اہلسنت کا کردار

ایم۔ ایم جسرت تابان

آج ۱۴ اگست ہے ہماری آزادی کا دن۔ وہ عظیم دن جب لاکھوں مسلمانانِ ہند نے فرنگی سامراج کا طوقِ غلامی اپنے گلے سے اتار پھینکا اور اپنے لئے دھرتی جہان پر ایک آزاد اسلامی مملکت "پاکستان" کو قیام عمل میں لائے۔ تشکیلِ پاکستان کے اسباب وعوامل کا جاننا ہمارے لئے ضروری امر ہے۔ تاکہ ہمیں ان قربانیوں کا احساس ہو سکے جو آج ہم ہوس و لالچ کا شکار ہو کر فراموش کر چکے ہیں۔ قارئین چونکہ انگریز نے ۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی کے بعد کل ہندوستان پر قبضہ کر لیا تھا اس لئے اس نے جہاں تاجدارِ ہند کو رنگون بدر کر کے کسم پرسی کی موت مارا وہیں ان حریت پسند علماء کو جنہوں نے انگریزوں کے خلاف جنگِ آزادی لڑنے کے فتاویٰ دیئے تھے۔ کہیں تختہ دار پر چڑھایا تو کہیں انہیں کالا پانی کی سزاؤں اور صعوبتوں سے دوچار کرنا پڑا۔ یہ وہ وقت تھا قارئین کہ مسلمانانِ ہند کے لئے چاروں طرف سے زندگی کے دروازے بند کر دیئے گئے اور تباہی و بربادی کا ایک طویل سلسلہ شروع کر دیا گیا تھا۔ اور یہ سب کچھ فقط انگریز نے اس لئے کیا تھا کہ وہ جانتا تھا کہ چونکہ اس نے مسلمانوں سے حکومت چھینی ہے اس لئے انہیں غم و غصہ بھی جہاں ہے وہیں یہ قوم دنیا کی سب سے بہادر اور ایمان پرور قوم ہے اس لئے کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ دوبارہ ہم سے تختِ دہلی یا دوسرے لفظوں میں "سونے کی چڑیا" چھین لیں۔ قارئین، ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کی شمع روشن کر کے درحقیقت تحریکِ پاکستان کی بنیادیں رکھنے والے حقیقت میں وہ علمائے کرام ہی تھے جن میں مولانا فضل حق خیر آبادی، مولانا مفتی عنایت اللہ کاکوری، مولانا فیض احمد بدایونی، مولانا امام بخش صہبائی، مولانا کافی مراد آبادی، سید احمد اللہ شاہ مدراسی اور مولانا رضی الدین بدایونی جیسے سیکڑوں مجاہدینِ آزادی اور فدائیانِ اسلام قابلِ فخر قابلِ ذکر ہیں۔ مگر افسوس کی انتہا تو یہ ہے آج ان علمائے کرام کی قوم مسلم ہند کے لئے دی جانے والی قربانیوں کا تو ذکر کیا تاریخ میں ان کے نام بھی نہیں لئے جاتے۔ ہاں البتہ وہ دوسرا گروہ جس نے انگریزی سرکار کو تسلیم کیا اس کی خدمات انگریزیہ کو خدمات پاکستان کا روپ دے کر تاریخ کے چہرے کو مسخ کر دیا جاتا ہے اور اولین معمارانِ آزادی مسلم و

> مسلمانوں کو کانگریس کو ووٹ دینا حرام ہے
> (آل انڈیا سنی کانفرنس کے بانی مولانا نعیم الدین مراد آبادی)

> ہر مسلمان کا فرض ہے کہ جنگِ پاکستان میں مسلم لیگ کا ساتھ دے
> (خواجہ قمر الدین سیالوی)

پاکستان کے مقابلے میں سید احمد بریلوی اور شاہ اسماعیل شہید کو برصغیر کی کل تحریکات آزادی و مذہبی کا ہیرو بنا دیا جاتا ہے جب کہ یہ دونوں صاحبین کی کل سعی و جہد کا محور انگریز کے بجائے سرحد کے پٹھان اور سکھ رہے ہیں۔ حالانکہ اس وقت جہاد کا فریضہ انگریزوں کے خلاف ادا کرنا چاہئے تھا کیونکہ انہوں نے اسلامی حکومت کو ختم کر کے قوم مسلم کے تشخص و تہذیب و تمدن کو پامال کر کے رکھ دیا تھا۔ قارئین گو میرے مضمون کا مقصد ان دونوں کی تحریک کے گرد احاطہ قائم کرنا نہیں ہے۔ لیکن میری اتنی بات کی تصدیق ہونا بھی ضروری ہے۔ آئیے پاکستان کے مخالفین کے بڑے مولانا حسین احمد مدنی کی یہ تحریر ملاحظہ کریں جس میں وہ اپنے تئیں ان صاحبان کی سعی و جہد کو کس طرح پاک کر رہے ہیں لکھتے ہیں: "سید صاحب کا اصل مقصد ہندوستان سے انگریزی تسلط اور اقتدار کا قلع قمع کرنا تھا۔ جس کے باعث ہندو مسلمان دونوں پریشان تھے اس بناء پر آپ نے اپنے ساتھ ہندوؤں کو بھی شرکت کی دعوت دی۔ اور صاف صاف بتا دیا کہ آپ کا مقصد ملک سے پردیسی لوگوں کا اقتدار ختم کرنا ہے اس کے بعد حکومت کس کی ہوگی۔ اس سے آپ کو غرض نہیں جو لوگ حکومت کے اہل ہوں گے ہندو یا مسلمان وہ دونوں حکومت کریں گے۔"
(نقشِ حیات: ج ۲، ص ۱۳)

اس کے ساتھ ہی مولانا عبیداللہ سندھی

> مولانا شاہ عبدالعلیم صدیقی کے بارے میں مشہور صحافی مختار حسن کی رائے ہے کہ:-
> انہوں نے تحریکِ پاکستان کے لئے نمایاں کام کیا اور بیرونِ ملک مطالبۂ پاکستان کے لئے دورے کئے۔

کی یہ بیش شہادت بھی ملاحظہ فرمائیے۔ "ایک دفعہ سرحد پار بیزر کے مقام پر گیا میں اس امید میں کہ شاید سید احمد شہید اور شاہ اسمٰعیل شہید کی جماعت مجاہدین کی زندگی کی کرن دکھائی دے۔ ادھر چل دیا۔ وہاں پہنچ کر مجھے معلوم ہوا کہ وہ جماعت جو مجاہدین کے نام سے یاد کی جاتی ہے کس بری حالت میں ہے اور اس کی گذران اور اس کی زندگی کس طرح صاحبزادہ عبدالقیوم خان کی وساطت سے انگریزی حکومت کی رہینِ منت ہے۔" (افادات و ملفوظات مولانا عبید اللہ سندھی از محمد سرور ص ۳۶۲)

دیکھا قارئین آپ نے ان اقتباسات کو خود کہیئے۔ گھر کے بھیدیوں کی یہ باتیں کس طرح لنکا کو ڈھا رہی ہیں۔ مگر متعصب و فرقہ پرست مورخین ہیں کہ ان صاحبان کی سعی و جہد کو برصغیر کی آزادی سے تشبیہ دے کر قارئین کو غلط مواد تاریخ فراہم کر رہے ہیں حالانکہ ان کے مقابلے میں، ۵۷ء کے مجاہدین آزادی کی دردناک داستان زیادہ قابلِ رقم ہے۔ آج پاکستان کی تاریخ کو ان متعصب و فرقہ پرست مؤرخین نے اس قدر مسخ کر دیا ہے کہ عوام بناس بھی حقیقت کو تاویلات کی روشنی میں فسانہ سمجھ کر لا حقیقت کو حقیقت سمجھ رہا ہے۔ انتہائی افسوس ہوتا ہے ایسے مورخین پہ اور کہنا ہی پڑتا ہے ۔

جنوں کا نام خرد رکھ دیا خرد کا جنوں
جو چاہے آپ کا حسنِ کرشمہ ساز کرے ۔

اور اب قارئین آئیے میں آپ کو ان علمائے کرام سے روشناس کراؤں جنہوں نے قائد اعظم اور مسلم لیگ کا ساتھ دے کر اسلامی ریاست پاکستان کے قیام کو ممکن بنایا اور ان علماء سے بھی جو پاکستان ہی نہیں بلکہ مسلمانان ہند کے بھی مخالف تھے

سب سے پہلے علمائے حق (اہل سنت) کی خدمات پاکستان ملاحظہ ہوں ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

امیر ملت پیر سید جماعت علی شاہ محدث علی پوری صدر آل انڈیا سنی کانفرنس نے فرمایا: "اس بناء پر فقیر بھی مسلمانان ہند سے اپیل کرتا ہے کہ جس طرح فقیر نے شملہ کانفرنس کے موقع پہ اعلان کیا تھا کہ مسلم لیگ ہی مسلمانان ہند کی واحد سیاسی جماعت ہے اب چونکہ جدید انتخابات ہونے والے ہیں۔ اس موقع پہ جیسا کہ قائد اعظم محمد علی جناح صاحب نے مسلمانان ہند سے اپیل کی ہے کہ ہر ایک مسلمان کو مسلم لیگ کے امیدوار کو ووٹ دینا چاہیئے اور اپنی حیثیت سے زیادہ چندہ دینا چاہیئے۔ فقیر بحیثیت امیر ملت قائد اعظم محمد علی جناح کے اس اپیل کی پر زور تائید کرتا ہے اور جمیع مسلمانان ہند سے عموماً اور اپنے یاران طریقت سے خصوصاً جو لاکھوں کی تعداد میں ہندوستان کے گوشہ گوشہ میں ہیں مکرر پر زور اپیل کرتا ہے کہ اس موقع پہ ہر طرح سے مسلم لیگ کی امداد کریں اور میرے متوسلین ان شاء اللہ تعالیٰ مسلم لیگ کی امداد کرتے رہیں گے۔"
(ہفت روزہ الفقیہ امرتسر ۲۱ اکتوبر ۱۹۴۵ء ص ۱۱)

آل انڈیا سنی کانفرنس کے بانی و ناظم اعلیٰ مولانا سید محمد نعیم الدین مراد آبادی نے مسلم لیگ کی حمایت کرتے ہوئے کہا۔ "مسلمانوں کو اپنا قیمتی ووٹ کانگریس کو دینا حرام ہے

محمد علی جناح ہمارا بہترین وکیل
ہے اور مسلم لیگ مسلمانوں کی
واحد نمائندہ جماعت ہے ؛
(امیر ملت سید جماعت علی شاہ محدث علی پوری)

اور احرار، خاکسار، یونی نسٹ وغیرہ بھی مسلمان اکثریت سے کٹ کر گاندھی نہرو کے زر خرید غلام ہیں۔ انہیں مسلمانوں کی نمائندگی کا کوئی حق نہیں ہے۔ مسلمانوں کے ووٹ کا حق صرف اسی سنی صحیح العقیدہ مسلمانوں کو ہے جو کونسلوں میں جا کر مسلمانوں کے جائز حقوق کی نگہداشت کریں اور احکام شریعت کے مطابق جدوجہد کریں۔" (ہفت روزہ الفقیہ امرتسر جلد ۲۸، شمارہ ۳۷، ۳۸ مورخہ ۷، ۱۴ اکتوبر ۱۹۴۵ء، ص: ۵)

حضرت آل رسول علی خان زیب آستانہ عالیہ اجمیر شریف نے فرمایا:۔ "مسلم لیگ نے حصول پاکستان کے لئے انتخاب لڑنے کا اعلان کر دیا ہے اس لئے ہر مسلمان دل و جان سے مسلم لیگ کا ساتھ دے۔" (اشتہار صوفیائے کرام کا اعلان حق۔ "صرف مسلم لیگ کی حمایت کرو"، شائع کردہ پنجاب مسلم لیگ) جناب پیر لاڈلے حسین شاہ سجادہ نشین گلبرگہ شریف (دکن) نے فرمایا۔ "صرف مسلم لیگ ہی مسلمانوں کی جماعت ہے۔" (ایضاً) جناب خواجہ غلام سدید الدین سجادہ نشین تونسہ شریف نے فرمایا "مریدانِ باصفا اور مسلمانوں کا فرض ہے کہ مسلم لیگ کا ساتھ دیں۔" (ایضاً)۔ حضرت پیر صاحب سجادہ نشین دربار پاک پتن نے فرمایا۔ "مسلمانوں کے ووٹ کے حقدار صرف مسلم لیگی نمائندے ہیں۔" (ایضاً)۔

خواجہ قمر الدین سیالوی نے فرمایا۔ "ہر مسلمان کا فرض ہے کہ جنگ پاکستان میں مسلم لیگ کا ساتھ دے۔" (ایضاً)

جناب مولانا غلام محی الدین گولڑہ شریف نے فرمایا۔ "مسلمان اس معرکہ حق و باطل میں مسلم لیگ کا ساتھ دیں۔" (ایضاً)

پیر سید جماعت علی شاہ محدث پوری نے فرمایا "محمد علی جناح ہمارا بہترین وکیل ہے اور مسلم لیگ مسلمانوں کی واحد نمائندہ جماعت ہے۔" (ایضاً)

اسی طرح مسلم لیگ کے شعبہ نشر و اشاعت نے ایک اشتہار مطبوعہ سول ملٹری پریس ڈیرہ اسمٰعیل خان جاری کیا۔ جس میں ۳۰ جلیل القدر سنی مشائخ عظام اور علمائے کرام نے پیر محمد عبداللطیف زکوڑی شریف اور دیگر جملہ مسلم لیگی امیدواروں کی پر زور حمایت کرتے ہوئے متفقہ طور پر فرمایا۔ "سب مسلمانوں کا اولین فرض ہے کہ مسلم لیگ کی حمایت کریں اور پاکستان کے قیام کے لئے اپنا خون پیش کر کے باعث صد افتخار سمجھیں کہ بغیر قیام پاکستان اس ملک میں باعزت زندگی محال ہے۔" قارئین اس اشتہار میں ایک دیوبندی اور دو اہل حدیث علماء کے نام بھی درج تھے پاکستان کی حمایت میں اسی طرح ۲۰ جنوری ۱۹۴۶ء کو پیر عبدالرشید سجادہ نشین دربار بوعلی شاہ پانی پت نے بیان دیا۔ "اس وقت مسلمانان ہند کی واحد جماعت مسلم لیگ ہے اور پاکستان مسلمانان ہند کا بہترین نصب العین ہے۔" (اسلام اور قائد اعظم محمد حنیف شاہد مطبوعہ لاہور ۱۹۷۶ء ص ۱۳۲)۔ ۷ اپریل ۱۹۴۶ء کو سید محی الدین لال بادشاہ مکھڈ شریف (ایم ایل اے) نے قائد اعظم کو مکتوب لکھا "میں نہایت مسرت و ابتہاج کے ساتھ آپ کی وساطت سے اپنی ناچیز خدمات ملتِ اسلامیہ کو پیش کرتا ہوں ۔ ۔ ۔ ۔ مفادات کے لئے میری حقیر پیش کش کو قادر مطلق قبول فرمائے ۔ ۔ ۔ ۔ اس وقت ہر فرد ملت کا فرض ہے کہ وہ مسلم لیگ میں شامل ہو جائے۔ یہ فرض ہر دوسرے فرض پر مقدم ہے۔ (اسلام اور قائد اعظم ص ۱۴۲-۱۴۳)

مولانا عبدالحامد بدایونی جو ۱۹۱۸ء میں مسلم لیگ میں شامل ہوئے اور تا تقسیم ہند مسلم لیگ میں ہی رہے بیرون ملک (مشرق وسطیٰ) پاکستان کے مؤقف کے لئے گئے تو اپنے تاثرات یوں بیان کئے۔ "میں جلالۃ الملک ابن سعود کی خدمت میں حاضر ہوا۔ انہوں نے پاکستان کے نظریئے کی تائید فرمائی اور مسٹر جناح کی سیاسی دور اندیشی کا اعتراف کرتے رہے ۔ ۔ ۔ ۔ مصر اور دیگر بلاد اسلامیہ کے اکابر کا نظریہ بھی یہی ہے کہ وہ سب کے سب کہ

پاکستان کے نظریہ اور قیام کے اصل معمار سُنی علماء و مشائخ ہیں

رہے ہیں کہ "مسٹر جناح اسلام کے قائد اعظم ہوں گے" (اسلام اور قائد اعظم ص ۱۶۴) ایک دفعہ اپنی تقریر کے دوران فرمایا۔ "ہم طے کر چکے ہیں کہ ہندوستان کی سرزمین میں ایک ہی جھنڈا بلند ہو اور وہ جھنڈا اسلام کا ہو۔ ہم پاکستان چاہتے ہیں۔ اور پاکستان حاصل کر کے رہیں گے اور پاکستان کے لئے اپنے خون کا آخری قطرہ تک بہا دیں گے" (روزنامہ "مساوات" لاہور ۱۵ راگست ۱۹۷۶ء، یوم استقلال ایڈیشن ص ۳)

مولانا عبدالعلیم صدیقیؒ جو عظیم مبلغ اسلام تھے۔ مشہور صحافی مختار حسن کی رائے ان کے بارے میں سنیئے۔ "تحریک پاکستان کے لئے کام کرنے والے علماء و مشائخ میں ان کا نام بڑا نمایاں ہے انہوں نے بیرون ملک برصغیر کے مسلمانوں کی سیاست اور مطالبہ پاکستان کے لئے دورے کئے۔ (ہفت روزہ "زندگی" لاہور ۲۴ ر تا ۳۰ ر ستمبر ۱۹۷۳ء ص ۱۰) حضرت مفتی اعظم ہند مصطفےٰ رضا خاںؒ کو کون نہیں جانتا ان کے مسلم لیگ کے نقطہ نظر کی حمایت کا اعتراف مشہور نقاد و صحافی شوکت صدیقی نے یوں کیا۔ "مولانا مصطفےٰ خانؒ نے ہمیشہ تحریک پاکستان کی حمایت کی" (ہفت روزہ الفقیہ امرتسر ۲۱ تا ۲۸ نومبر ۱۹۴۵ء، ص ۷) .....

الغرض قارئین یہ وہ معمولی سی جھلک جدوجہد ہے جو علمائے حق (اہل سنت) نظریہ پاکستان سے لے کر قیام پاکستان تک کرتے رہے تھے اگر مفصل طور پر ان کی خدمات رقم کی جائیں تو واللہ ایک انتہائی ضخیم کتاب مرتب ہو سکتی ہے مگر مورخین فرقہ پرست و پر تعصب نے ان کی خدمات کو فراموش کرنے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں چھوڑا اور

ع منزل انہیں ملی جو شریک سفر نہ تھے

آیئے اب پاکستان کے مخالفین اور متحدہ قومیت کے علمبردار گروہ کے کردار کو دیکھیں جنہوں نے پاکستان کے قیام میں مسلمانان ہند اور مسلم لیگ کو کیسی کیسی مصیبتوں سے دوچار کیا۔ آیئے سب سے پہلے جمعیت العلماء ہند کے صدر اور شیخ الحدیث دیوبند مولانا حسین احمد مدنی کے فتاویٰ کو ملاحظہ کریں۔ .... "ہم نے جہاں تک چھان بین کی پاکستان کا مطالبہ برطانوی خواہشات اور ان کی سیاہ کاریوں کے مطابق ہے ..... ہماری سمجھ میں اب تک یہی آیا ہے کہ یہ مسلمانوں کے لئے مفید نہیں ہے اور بالخصوص ان مسلمان لوگوں کے لئے جو کہ اقلیت والے صوبوں یوپی، بہار، مدراس، بمبئی، راجپوتانہ مالوہ وغیرہ میں رہتے ہیں مزید مشکلات پیدا ہو جائیں گی۔ جن کے لئے مسٹر جناح فرماتے ہیں کہ میں اقلیت والوں کو اکثریت والوں پر قربان کرتے ہوئے تمہاری نماز جنازہ پڑھتا ہوں" واللہ اعلم

(دستخط) حسین احمد غفرلہ

۲۲ ر ذیقعدہ ۱۳۶۴ھ

(قلمی فتویٰ حسین احمد مدنی ۲۳ ر ذیقعدہ ۱۳۶۴ھ، (نومبر ۱۹۴۵ء)

قائد اعظم کی ذات پر اقلیت کو اکثریت پر قربان کر کے ان کی نماز جنازہ پڑھنے کا بہتان درحقیقت مولانا کی کانگریسی ذہنیت کی پیداوار ہے حالانکہ ملک تقسیم ہوتے یا نہ ہونے کی صورت میں اقلیت، اقلیت ہی رہتی۔ اسی بہتان کا مسکت رد محمد مظفر ایم اے اور پروفیسر البیرونی کی اس غیر جانبدارانہ رائے سے ہو جاتا ہے "جب قرارداد لاہور منظور ہوئی تو کانگریس کے بعض حلقوں میں جن کے سربراہ مسلمان کانگریسی تھے یہ تنقید پیش کی کہ اس قرارداد میں مسلم اکثریتی علاقوں کا ہی مسئلہ پیش نظر رکھا گیا ہے اور ہندو اکثریت کے مسلمانوں کے مفادات کو قابل توجہ نہیں سمجھا گیا ہندو اکثریت کے مسلمانوں کو اس سے کیا فائدہ پہنچے گا۔ اس پر قائد اعظم نے ہندو اکثریتی علاقوں کے مسلمانوں کو متنبہ کیا کہ اس پروپیگنڈے کا مقصد محض مسلمانوں میں تفرقہ ڈالنا ہے دوسری بات یہ ہے کہ ملک تقسیم ہو یا نہ ہو وہ اپنے علاقوں میں ہر لحاظ سے اقلیت کے طور پر رہیں گے لہٰذا انہیں اپنے بھائیوں کے راستے میں رکاوٹ کا باعث نہ بننا چاہیئے" (تحریک پاکستان اور آئین پاکستان : ص ۱۳۰)

> وہ جو "سب کچھ" تھے تاریخ
> میں ان کے نام تک رقم نہیں،
> جو "سب کچھ" نہ تھے ان کی
> تعریف میں تاریخ کو مسخ کیا جاتا ہے

پاکستان کی مخالفت میں مفتی کفایت اللہ دہلوی نے اپنے ایک فتویٰ میں کہا "پاکستان کا مطالبہ ہمارے خیال میں مسلمانوں کے لئے مضر ہے کیونکہ حقیقی پاکستان تو مانگا جا رہا ہے نہ اس کے ملنے کی توقع (قلمی فتویٰ) مفتی کفایت اللہ دہلوی، اس فتوے پر احمد سعید صاحب اور حبیب المرسلین صاحب کے بھی دستخط موجود تھے) سید عطاء اللہ شاہ بخاری نے "احرار کانفرنس" علی پور میں کہا "مسلم لیگ کے لیڈر بے عملوں کی ٹولی ہے جنہیں اپنی عاقبت بھی یاد نہیں اور جو دوسروں کی عاقبت بھی خراب کر رہے ہیں۔ اور وہ جس مملکت کی تخلیق کرنا چاہتے ہیں وہ پاکستان نہیں خاکستان ہے"

(اخبار ملاپ لاہور ۲۷ ر دسمبر ۱۹۴۵ء)

۱۹۳۹ء میں جماعت اسلامی کے سربراہ مولانا مودودی نے یوں ارشاد فرمایا: "لیگ کے قائد اعظم سے لے کر چھوٹے مقتدیوں تک ایک بھی ایسا نہیں جو اسلامی ذہنیت اور اسلامی طرز فکر رکھتا ہو اور معاملات کو اسلامی نقطہ نظر سے دیکھتا ہو" (مسلمان اور موجودہ سیاسی کشمکش حصہ سوم ص ۳۰) اسی طرح ایک دفعہ فرمایا۔ "اس وقت ہندوستان میں مسلمانوں کی جو مختلف جماعتیں اسلام کے نام پر کام کر رہی ہیں۔ اگر فی الواقع اسلام کے معیار پر ان کے نظریات مقاصد اور کارکنوں کو پرکھا جائے تو سب کی سب جس کا سد (کھوٹی) نکلیں گی خواہ مغربی تعلیم و تربیت پائے سیاسی لیڈر ہوں یا علمائے دین و مفتیان شرع متین دونوں راہ حق سے ہٹ کر تاریکیوں میں بھٹک رہے ہیں" (مسلمان اور موجودہ سیاسی کشمکش ص ۸)

مولانا ابوالکلام آزاد نے مسلم لیگ کی مخالف جماعتوں اور مجلس احرار سے یوں اپیل کی۔ "وہ منظم ہو کر ایک وجود بن جائیں۔ اور ڈٹ کر مسلم لیگ کا مقابلہ کریں" (آزادی ہند۔ مترجم رئیس احمد جعفری ندوی مطبوعہ لاہور۔ ص ۱۶۱) اس اپیل پر تبصرہ کرتے ہوئے اسی کتاب "آزادی ہند" میں رئیس احمد جعفری یوں رقم طراز ہیں۔ "اور بلاشبہ مولانا کی یہ اپیل کارگر ہوئی اور خاکسار، جمعیت علماء ہند اور دیگر جماعتوں نے مسلم لیگ کے خلاف محاذ بنا لیا۔ انہوں نے مسلم لیگ کے راستے میں کانٹے بچھائے۔ پتھر پھینکے، چاقو اور خنجر سے وار کئے۔ جلسے درہم برہم کرنے کی کوشش

باقی صفحہ ۵۰ پر

یوم راست اقدام

جب کلکتہ پاکستان بنا

آل انڈیا مسلم لیگ نے اپنی تمام شاخوں کو یہ سرکلر بھیجا کہ ۱۶ اگست ۱۹۴۶ء بمطابق ۲۶ رمضان المبارک ۱۳۶۶ھ کو راست اقدام منایا جائے چنانچہ اس سرکلر کے مطابق پورے ہندوستان میں ڈائریکٹ ایکشن ڈے منایا گیا اور کلکتہ مسلم لیگ نے جمعہ کی نماز کے بعد یہ جلسہ رکھا۔

یہ اعلان سن کر کلکتے کے مسلمانوں میں ایک نیا جوش و ولولہ پیدا ہوگیا اور پھر جمعہ کے دن ۱۲ بجے ہی سے دھرم تلہ کے سامنے والا عظیم الشان میدان سات لاکھ کے مجمع سے بھر گیا میدان کے چاروں طرف سبز ہلالی پرچم لہرا رہے تھے اسوقت یہ مجمع بڑا مسحور کن منظر پیش کر رہا تھا۔

میدان کے بیچوں بیچ اسٹیج بنا ہوا تھا، اس اسٹیج سے اخبار "عصر جدید" کلکتہ کے ایڈیٹر، شہید قوم عبدالجبار وحیدی کنٹرول کر رہے تھے، جو گروہ اپنا بڑا سا جھنڈا لہراتا ہوا آتا اسے یہ صحیح جگہ پر بیٹھنے کی ہدایت دیتے، اتنے بڑے مجمعے میں گڑبڑ تو کیا چوں کی آواز نہ تھی مسلمانوں کا یہ اتحاد دیکھ کر اغیار بھی حیران تھے کہ یہ کس طلسمی طاقت نے انہیں آپس میں جکڑ رکھا ہے،

اس جلسے کے مہمان خصوصی مشہور مسلم لیگی لیڈر راجہ غضنفر علی خان تھے شام کے ۵ بجے تک مسلمانوں کے جوش کا یہ ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر بالکل خاموش تھا ۵ بجے کے بعد مجمع میں کچھ بے چینی سی ہوئی کہ جلسہ شروع کیوں نہیں ہوتا ایک تو رمضان شریف کا مہینہ بہت سے لوگ روزے سے تھے پھر کڑی دھوپ میں دن کے ۱۲ بجے سے بیٹھے ہوئے ہیں،

مجمع کا یہ مطالبہ سن کر کچھ لیڈر اسٹیج پر گھبرائے ہوئے سے آئے کچھ کہنے ہی والے تھے کہ اتنے میں دو آدمی اسٹیج پر خون میں لت پت آئے اور جلسے والوں کو مخاطب کر کے کہنے لگے، بھائیو تم یہاں آرام سے بیٹھے ہو اپنے گھروں اور محلوں کی بھی کچھ خبر ہے وہاں ہندوؤں نے چن چن کر تمہارے بال بچوں کو قتل کر دیا اور گھروں کو آگ لگا دی یہ دیکھو ہمارا کیا حال ہے یہ دونوں آدمی خضر پور سے آئے تھے جو کلکتہ کا ایک علاقہ ہے یہ غصے میں اس قدر بھرے ہوئے تھے کہ لیڈروں اور مسلم لیگی وزارت کو جو کچھ نہ کہا وہ کہہ رہے تھے۔

محبوب عالم عکست

یہ حال سن کر جلسے میں گھبراہٹ پھیل گئی لیکن پھر بھی کچھ لوگوں نے کہا کہ یہ سب ڈھونگ ہے کانگریسیوں نے جلسے کو خراب کرنے کے لئے یہ چال چلی ہے اطمینان سے بیٹھو، غرضیکہ کسی نے کچھ کہا کسی نے کچھ، اور کچھ جیالوں نے کہا کچھ بھی ہو تقریریں سن کر ہی جائیں گے،

مگر جلسہ پر گومگو کا عالم طاری ہوگیا اتنے میں کلکتہ مسلم لیگ کے جنرل سیکریٹری ابوالہاشم آئے اور اعلان کیا کہ بھائیو حالات واقعی بہت خراب ہو گئے ہیں جلسہ ملتوی کیا جاتا ہے آپ اپنے اپنے گھروں کو بڑی ہوشیاری سے جائیں

یہ سننا تھا کہ ۷ لاکھ کا مجمع ایسے اُڑ گیا جیسے کبوتروں کی ٹولی اڑ جاتی ہے اب اگر اسوقت لیڈران بھی حواس باختہ نہ ہوتے اور قوم کو صحیح طریقہ پر مطلع کرتے تو اتنا نقصان نہ ہوتا جتنا ہوا ۱-۲-۲ ہزار کی ٹولیاں بنا کر فساد زدہ علاقوں میں روانہ کرتے رہتے تو مسلمانوں کا اس طرح خون نہ بہتا لیکن لیڈروں کی گھبراہٹ نے غریب مسلمانوں کو گاجر مولی کی طرح کٹوا دیا

بہر حال یہ بات ماننی پڑے گی کہ مسلمان غافل تھے اور ہندوؤں نے طے شدہ منصوبے کے تحت قتل عام کیا کیونکہ بنگال کے مشہور ہندو لیڈر کرن شنکر رائے نے دیش بدھو پارک واقع راس بہاری ایونیو بالی گنج میں یہ زہریلی تقریر کی تھی کہ اگر آل انڈیا مسلم

فساد تین دن جاری رہا، تقریباً دس ہزار افراد مارے گئے۔
وزیر اعظم بنگال حسین شہید سہروردی رات دن بھاگ دوڑ کرتے رہے۔

میں نے سوٹ پہن رکھا تھا اس لئے کسی کو پتہ نہ چل سکا کہ میں کون ہوں

لیگ کا یہ ڈائرکٹ ایکشن ڈے کامیاب ہوگیا تو پھر بنگال میں ایک ہندو بھی نہیں رہے گا۔ اس تقریر کا یہ اثر ہوا کہ بنگالی ہندو ہوشیار ہوگئے اور پورا پورا انتظام کرلیا۔ اس انتظام کی تفصیل پڑھیں۔

جب جلسہ منتشر ہوا راقم الحروف بھی اپنے گھر کی طرف چلا لیکن پارک سرکس کی طرف آنے کے لئے کوئی راستہ نہ ملا ہر طرف آگ اور خون کی ہولی کھیلی جارہی تھی خیر خدا خدا کر کے بچتے بچاتے گھر پہنچا تو روزہ کے افطار کا وقت ہوگیا تھا روزہ کھول کر سوگیا کیونکہ بری طرح تھکا ہارا تھا۔

رات کے تقریباً ایک بجے نعرہ تکبیر اللہ اکبر کی آواز سے آنکھ کھل گئی ہڑبڑا کر باہر نکلا تحقیق کرنے پر معلوم ہوا کہ رات کو دلکشا اسٹریٹ کی طرف سے تمبر مل کے گوالوں نے حملہ کیا تھا مگر پھر بھاگ گئے یہ سن کر واپس آگیا مگر نعرہ تکبیر کی مسلسل آواز سے نیند نہیں آئی۔

اسی رات مجھے نعرہ تکبیر کی آواز کا احساس ہوا کہ کس قدر زلزلہ خیز آواز ہوتی ہے یہ سچ ہے کہ جب نعرہ تکبیر کی آواز آتی تھی تو پاؤں تلے زمین دہلتی ہوئی معلوم ہوتی تھی حالانکہ یہ آواز دو فرلانگ سے آرہی تھی۔

یہ ہنگامہ مسلسل تین دن رہا جمعرات اور اتوار ان تین دنوں میں تقریباً دس ہزار آدمی مارا گیا اتوار کی شام کو بڑا سخت کرفیو لگا، جو نظر آیا اسے گولی سے اڑایا ان تین دنوں میں اللہ بخشے حسین شہید سہروردی وزیر اعظم بنگال نے ذرا بھی آرام نہیں کیا دن رات بھاگ دوڑ کرتے رہے۔

کرفیو لگ جانے کے بعد فساد کا زور ٹوٹ گیا مگر اب یہ حالت ہوگئی کہ کوئی مسلمان ہندو کے علاقے میں چلا گیا تو وہ قتل ہوگیا اور اسی طرح اگر کوئی ہندو مسلمانوں کے محلے میں آگیا تو وہ نہیں بچا اس لئے کلکتہ عملی طور پر دو حصوں میں تقسیم ہوگیا تھا، یعنی ہندوستان اور پاکستان، اس زمانے میں پارک سرکس اور [illegible] اسٹریٹ وغیرہ کا علاقہ عملاً پاکستان بنا ہوا تھا [illegible] اکا دکا قتل کی وارداتیں مسلسل ایک سال [illegible] یعنی ۱۴ اگست ۱۹۴۷ء تک کلکتے کے [illegible] حالات میں راقم الحروف کے بڑے بھائی اللہ بخشے [illegible] مرحوم نے اجمیر شریف سے لکھا کہ میرے بال بچے لے کر فوراً اجمیر شریف آجاؤ لیکن انہیں کیا معلوم کہ یہاں گھر سے نکلنا بھی موت کو دعوت دینا ہے، بہرحال کسی نہ کسی طرح خدا پر بھروسہ کر کے نومبر ۱۹۴۶ء کو بال بچے لے کر سوار ہوگیا کیسے سوار ہوا یہ نہ پوچھئے بات یہ تھی کہ راقم الحروف کی بھاوج ساڑھی پہنے ہوئے تھی اور بڑی بچی ماتھے پہ بندیا لگائے ہوئے تھی جیسا کہ بنگال کا رواج ہے،

گاڑی میں سوار ہونے کے لیے بھیڑ اور توبہ! راقم الحروف بچوں کو لئے پریشان کھڑا تھا کہ کس طرح سوار ہو، ایک بنگالی ہندو نے میری بھتیجی کے ماتھے پہ بندیا دیکھ کر مجھے ڈبے کے اندر بلالیا اور بال بچوں کو زنانہ ڈبے میں سوار کروادیا اور پھر اپنے برابر والی سیٹ پر بٹھالیا اور کھانے کو پوری وغیرہ دی اور اپنی لٹیا سے پانی بھی پلایا۔

گاڑی جب ہاوڑہ اسٹیشن سے چلی اور تمام مسافر آرام سے بیٹھ گئے تو اب کلکتے کے فساد کا تذکرہ چھڑ گیا اور پھر تو اُدھر اُدھر کا بھی ذکر ہونے لگا بات چیت کرتے کرتے پورا ڈبہ جو کہ ہندوؤں ہی سے بھرا ہوا تھا جذباتی بن گیا اور مسلم لیگی لیڈروں اور کلکتے کے مسلمانوں کو من بھر کی گالیاں دینا شروع کردیں پورے ڈبے میں میں اور میرا مہربان بنگالی خاموش بیٹھے تھے ان متعصب ہندوؤں کا غصہ اتنا بڑھ گیا کہ مجھے ڈر لگنے لگا کہ اگر ان کو پتہ چل گیا کہ میں مسلمان ہوں تو یہ تکہ بوٹی کردیں گے کہ اس بچ نے ہمارا دھرم نشٹ کیا۔ اتفاق سے راقم الحروف سوٹ پہنے ہوئے تھا اسلئے پتہ نہیں چل سکا کہ کون ہوں ہندوؤں کے اس جوش سے متاثر ہو کر میرے مہربان بنگالی نے پوچھ ہی لیا کہ تمہارا نام کیا ہے کام کیا کرتے ہو، کہاں رہتے ہو، اور کہاں جا رہے ہو، اس کے سوالوں نے پورا خون خشک کردیا، رنگ زرد پڑ گیا اور بدحواس ہوگیا کہ کیا جواب دوں ہندو اور مسلمان کے لہجے میں کافی فرق ہوتا ہے۔

بس کچھ نہ پوچھئے جان پر بن گئی اور ایسے ہی میں یہ گندہ خیال بھی آگیا کہ اگر ان میں سے کسی کٹر متعصب ہندو نے یہ کہدیا کہ دھوتی کھول کر دیکھو کوئی قابل اعتراض مسلمان تو نہیں بیٹھا ہے اس خیال کا آنا تھا کہ اور بھی حواس گم ہوگئے اس بنگالی نے دو دفعہ یہی سوال کیا مگر ریل کی گڑگڑاہٹ میں میں نے سنی ان سنی کردی

آخر ایک اسٹیشن پر رکنے پر یہی سوالات کئے تو راقم الحروف نے بنگالی زبان میں بتایا کہ "امنو شالے امار نام منوہر ہے، امار اسٹیشنری کی دکان اچھے آہی کالی گھاٹ ہمار تیاک ہو، احمد آباد جاچے"

یعنی میرا نام منوہر ہے میری اسٹیشنری کی دکان ہے اور میں احمد آباد جا رہا ہوں، یہ سن کر وہ بنگالی مطمئن ہوگیا، مگر یہ اتنا بڑا جھوٹ تھا جسے بول کر حالت اور بھی پتلی ہوگئی کہ دیکھئے آگے کیا ہوتا ہے

اب ادھر تو اپنی حالت پتلی ہو رہی تھی اور ادھر وہ مہاشئے لگے پڑے تھے اور عالم یہ تھا کہ ہم اپنی موت کے منتظر تھے کہ دیکھئے کب آئے اور وہ لوگ اپنا اسٹیشن آنے کے منتظر تھے۔

آخر خدا خدا کر کے کان پور کا اسٹیشن آیا اور بیاری سے چنڈال چوکڑی کا پورا اتر گئی اب کانپور سے جو ہندو چڑھے وہ بڑے مہذب لوگ تھے ان میں سے کسی نے بھی دہلی تک کوئی سیاسی بات چیت نہیں کی راقم الحروف بھی چپ چاپ بیٹھا رہا پھر دہلی کے اسٹیشن پر بال بچوں کو لے اترا اور پھر وہاں سے اجمیر شریف کی گاڑی پکڑی،

اب اس واقعہ کو ۴۴ سال ہو رہے ہیں مگر جب یہ خیال آتا ہے کہ ہاوڑے سے کانپور تک یہ لمبا سفر کیسے طے کیا تھا تو رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں اور پھر ہنسی بھی آتی ہے کہ واہ میاں محبوب عالم عرف منوہر لال خوب بچے اگر تقیہ نہ کرتے تو مارے گئے تھے۔

> جب نعرہ تکبیر کی آواز آتی تھی تو پاؤں تلے کی زمین دہلتی ہوئی معلوم ہوتی تھی حالانکہ یہ آواز دو فرلانگ دور سے آرہی تھی!

میت نے سوٹ پہن رکھا تھا اس لئے کسی کو پتہ نہ چل سکا کہ میت کون ہے

لیگ کا یہ ڈائرکٹ ایکشن ڈے کامیاب ہوگیا تو پھر بنگال میں ایک ہندو بھی نہیں رہے گا۔ اس تقریر کا یہ اثر ہوا کہ بنگالی ہندو ہوشیار ہوگئے اور پورا پورا انتظام کرلیا۔ اس انتظام کی تفصیل پڑھیں۔

جب جلسہ منتشر ہوا راقم الحروف بھی اپنے گھر کی طرف چلا لیکن پارک سرکس کی طرف آنے کے لئے کوئی راستہ نہ ملا ہر طرف آگ اور خون کی ہولی کھیلی جارہی تھی خیر خدا خدا کرکے بچتے بچاتے گھر پہنچا تو روزہ کے افطار کا وقت ہوگیا تھا روزہ کھول کر سو گیا کیونکہ بری طرح تھکا ہارا تھا۔

رات کے تقریباً ایک بجے نعرۂ تکبیر اللہ اکبر کی آواز سے آنکھ کھل گئی بڑبڑا کر باہر نکلا تحقیق کرنے پر معلوم ہوا کہ رات کو دلکشا اسٹریٹ کی طرف سے تمبر پل کے گوالوں نے حملہ کیا تھا مگر پھر بھاگ گئے یہ سن کر واپس آگیا مگر نعرۂ تکبیر کی مسلسل آواز سے نیند نہیں آئی۔

اسی رات مجھے نعرۂ تکبیر کی آواز کا احساس ہوا کہ کس قدر زلزلہ خیز آواز ہوتی ہے یہ سچ ہے کہ جب نعرہ تکبیر کی آواز آئی تھی تو پاؤں تلے زمین دہلتی ہوئی معلوم ہوتی تھی حالانکہ یہ آواز دو فرلانگ سے آرہی تھی۔

یہ اچانک فساد تین دن رہا جمعہ ہفتہ اور اتوار ان تین دنوں میں تقریباً دس ہزار آدمی مارا گیا اتوار کی شام کو بڑا سخت کرفیو لگا، جو نظر آیا اسے گولی سے اڑا دیا، ان تین دنوں میں اللہ بخشے حسین شہید سہروردی وزیر اعظم بنگال نے ذرا بھی آرام نہیں کیا دن رات بھاگ دوڑ کرتے رہے۔

کرفیو لگ جانے کے بعد فساد کا زور ٹوٹ گیا مگر اب یہ حالت ہوگئی کہ کوئی مسلمان ہندو کے علاقے میں چلا گیا تو وہ قتل ہوگیا اور اسی طرح اگر کوئی ہندو مسلمان کے محلے میں آگیا تو وہ نہیں بچا اسلئے کلکتہ عملی طور پر دو حصوں میں تقسیم ہوگیا تھا، یعنی ہندوستان اور پاکستان، اس زمانے میں پارک سرکس اور ذکریا اسٹریٹ وغیرہ کا علاقہ عملاً پاکستان بنا ہوا تھا یہ اکا دکا قتل کی وارداتیں مسلسل ایک سال تک ہوتی رہیں، یعنی ۱۴ اگست ۱۹۴۷ء تک کلکتے کے یہ حالات سن کر راقم الحروف کے بڑے بھائی اللہ بخشے احمد کاظم مرحوم نے اجمیر شریف سے لکھا کہ میرے بال بچوں کو لے کر فوراً اجمیر شریف آجاؤ لیکن انہیں کیا معلوم کہ یہاں گھر سے نکلنا بھی موت کو دعوت دینا ہے۔ بہرحال کسی نہ کسی طرح خدا پر بھروسہ کرکے نومبر ۱۹۴۶ء کو بال بچے لے کر سوار ہوگیا کیسے سوار ہوا یہ نہ پوچھئے بات یہ تھی کہ راقم الحروف کی بھاوج ساڑھی پہنے ہوئے تھی اور بڑی بڑی ماتھے پر بندیا لگائے ہوئے تھی جیسا کہ بنگال کا رواج ہے۔

گاڑی میں سوار ہونے کے لیے بھیڑ ایسی تھی تو راقم الحروف بچوں کو لئے پریشان کھڑا تھا کہ کس طرح سوار ہوں۔ ایک بنگالی ہندو نے میری بھتیجی کے ماتھے پہ بندیا دیکھ کر مجھے ڈبے کے اندر بلالیا اور بال بچوں کو اندر ڈبے میں سوار کروادیا اور پھر اپنے برابر والی سیٹ پر بٹھایا اور کھانے کو بسکٹ وغیرہ دئے اور اپنی لٹیا سے پانی بھی پلایا۔

گاڑی جب ہاوڑہ اسٹیشن سے چلی اور تمام مسافر آرام سے بیٹھ گئے تو اب کلکتے کے فساد کا تذکرہ چھڑ گیا اور پھر نواکھالی اور بہار کا بھی ذکر ہونے لگا بات چیت کرتے کرتے پتا چلا کہ یہ ڈبہ جو کہ ہندوؤں سے بھرا ہوا تھا جذباتی بن گیا اور مسلم لیگی لیڈروں اور کلکتہ کے مسلمانوں کو من بھر کی گالیاں دینا شروع کردیں پورے ڈبے میں میں اور میرا ہمراہی بنگالی خاموش بیٹھے تھے ان متعصب ہندوؤں کا غصہ اتنا بڑھ گیا کہ مجھے ڈر لگنے لگا کہ اگر ان کو پتہ چل گیا کہ ہم مسلمان ہیں تو ٹکڑے ٹکڑے کردیں گے کہ اس بیچ نے ہمارا دھرم نشٹ کیا

اتفاق سے راقم الحروف سوٹ پہنے ہوئے تھا اسلئے پتہ نہیں چل سکا کہ کون ہوں ہندوؤں کے اس جوش سے متاثر ہوکر میرے ہمراہی بنگالی نے پوچھا [illegible] تمہارا نام کیا ہے [illegible] کہاں رہتے ہو اور کہاں جارہے ہو اس کے سوالوں نے میرا حلق خشک کردیا، رنگ زرد پڑ گیا اور سمجھ میں نہ آیا کہ کیا جواب دوں ہندو اور مسلمان کے نام میں کافی فرق ہوتا ہے۔

بس کچھ نہ پوچھئے جان پر بن گئی اور اسی بیچ میں یہ گندہ خیال بھی آیا کہ اگر ان میں سے کسی کٹر متعصب ہندو نے یہ کہہ دیا کہ دھوتی کھلوا کر دیکھو کوئی قابل اعتراض مسلمان تو نہیں بیٹھا ہے۔ اس خیال کا آنا تھا کہ اور بھی ہوش گم ہوگئے اس بنگالی نے دو دفعہ یہی سوال کیا مگر [illegible] نے سنی ان سنی کردی

آخر ایک اسٹیشن پر بھی یہی سوالات کئے تو راقم الحروف نے بنگالی زبان میں بتلایا کہ [illegible] امار نام منیر ہے، امار [illegible] آمی کالی گھاٹ [illegible] احمد آباد جاچھے

یعنی میرا نام منیر ہے میری [illegible] کی دکان ہے اور میں احمد آباد جارہا ہوں۔ یہ سن کر وہ بنگالی مطمئن ہوگیا، مگر یہ اتنا بڑا جھوٹ [illegible] حالت اور بھی پتلی ہوگئی کہ دیکھئے آگے کیا ہوتا ہے اب ادھر تو اپنی حالت پتلی ہورہی تھی اور ادھر وہ مہاشے لگے پڑے تھے اور عالم یہ تھا کہ ہم اپنی موت کے منتظر تھے کہ دیکھئے کب آئے اور وہ لوگ اپنا اسٹیشن آنے کے منتظر تھے۔

آخر خدا خدا کرکے کانپور کا اسٹیشن آیا اور یہ [illegible] گاڑی کا نصف حصہ اتر گیا اب کانپور سے جو ہندو چڑھے وہ بڑے مہذب لوگ تھے ان میں سے کسی نے بھی دہلی تک کوئی سیاسی بات چیت نہیں کی راقم الحروف بھی چپ چاپ بیٹھا رہا پھر دہلی کے اسٹیشن پر بال بچوں کو لے کر اترا اور پھر وہاں سے اجمیر شریف کی گاڑی پکڑی۔

اب اس واقعہ کو ۴۳ سال ہوچکے ہیں مگر جب یہ خیال آتا ہے کہ ہاوڑہ سے کانپور تک یہ سفر کیسے طے کیا تھا تو رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں پھر ہنسی بھی آتی ہے کہ واہ میاں [illegible] لال خوب بچے اگر تقیہ نہ کرتے تو مارے گئے تھے۔

جب نعرہ تکبیر کی آواز آتی تھی تو پاؤں تلے کی زمین دہلتی ہوئی معلوم ہوتی تھی حالانکہ یہ آواز دو فرلانگ دور سے آرہی تھی!

ٹکٹ کا جمع کرنا ایک عام دلچسپ مشغلہ ہے اسطرح بہت سے بچوں (لڑکا یا لڑکی) کا مشغلہ قسم قسم کی تتلیوں کا پکڑ کر کاپیوں میں رکھنا، طرح طرح کے پتوں کو کاپی میں رکھنا، عکاسی، تیرنا، سیر کرنا، فوٹو بنانا وغیرہ وغیرہ یہ سب مشغلے ہیں۔

اب یہ جاننا ضروری ہے کہ ٹکٹ ہوتا کیا ہے، ایک جگہ سے دوسری جگہوں، یا ایک دیس سے دوسرے دیس جو لفافے یا پیکٹ جاتے ہیں اور اس پر جو فیس لگتی ہے وہ ٹکٹ کی شکل میں لگاتے ہیں اور جس پر ہر حکومت اپنی مہر لگاتی ہے ان ہی ٹکٹوں کو جمع کرتے ہیں جسے اسٹیمپ کلکش کہتے ہیں۔

ٹکٹ دو طرح کے ہوتے ہیں ایک تو عام انسان جو اپنی چٹھیوں پر لگاتے ہیں اور دوسرا جو حکومت کے دفتروں میں ڈاک کیلئے استعمال ہوتے ہیں جسے سروس اسٹیمپ کہتے ہیں دونوں ٹکٹ الگ الگ نمونے کے ہوتے ہیں استعمال کئے ہوئے ٹکٹ جو چٹھیوں سے ملتے ہیں اسے استعمال شدہ ٹکٹ کہتے ہیں اور جو استعمال نہیں ہوتے اسے غیر استعمال شدہ ٹکٹ کہتے ہیں، ٹکٹ اگر مشغلہ کے طور پر رکھے جائیں تو وہ دلچسپ مشغلہ ہے یعنی ایک شوق ہے کھیل ہے، تماشہ ہے اور اگر بیچنے کیلئے رکھے جائیں تو وہ تجارت ہے جس کے لئے سخت محنت اور وقت کی پابندی بہت ضروری ہے۔

ہندوستان میں ڈاک کا نظام ۱۲۹۶ء میں پٹھان حکمران علاؤ الدین خلجی نے قائم کیا جس نے گھوڑے سوار اور پیدل کے ذریعے روزانہ خبریں اپنے عوام کی حالت اور فوج کے ترقی کے بارے میں شروع کی اور اس نظام کو شیر شاہ سوری نے اپنے پانچ سال (۱۵۴۵ - ۱۵۴۱) کے دورِ حکومت میں اور ترقی دی۔ انہوں نے قریب ۲۰۰۰ر میل لمبی سڑک بنگال سے پشاور تک بنوائی جو سڑک یا جرنیلی سڑک Grand Truck Road کے نام سے مشہور ہے اور سڑک کے کنارے جگہ جگہ سرائے بنوائیں اور ہر سرائے میں دو گھوڑ سوار ہر وقت ڈاک لانے اور لے جانے میں مصروف رہتے تھے اور یہی نظام اس نے اپنے عہدِ حکومت میں قائم رکھا اس نظام کو بادشاہ اکبر نے ۱۶۰۵ - ۱۵۵۶ء کے زمانے میں

تحریر: سید عبدالفہیم حسینی بھاگلپوری

گھوڑ سوار کے ساتھ اونٹ سوار سے ڈاک کے نظام کو ترقی دی اس کے علاوہ راجہ چکا دیوی میسور کے راجہ نے ۱۶۷۲ء میں اپنی پوری سلطنت میں ڈاک کے نظام کو ترقی دی۔

شروع شروع میں ایسٹ انڈیا کمپنی نے اپنے کاروبار بڑھانے کے لئے کلکتہ مدراس اور بمبئی میں ۱۶۸۸ء میں ڈاک کا نظام قائم کیا، پھر مدراس اور بمبئی میں ڈاکخانے قائم کئے اور دوسرے شہروں میں چھوٹے چھوٹے ڈاکخانے خط آنے اور جانے کے لئے قائم کئے اور لارڈ کلائیو نے ۱۷۶۶ء میں ڈاک کے نظام کو اور ترقی دی پر صرف حکومت کے کاموں کے لئے لیکن آٹھ سال بعد ۱۷۷۴ء میں یہ عام لوگوں کے لئے جاری ہوا اور صرف دو آنے فی ۱۰۰ر میل

ہلز (RONLAND HILLS) نے برطانیہ کے "TAX" کے بارے میں پڑھا اور جدوجہد ٹکٹ چلانے کی کی کیونکہ اس زمانے میں جو فیس چٹھیوں پر لگتی تھی وہ بہت زیادہ تھی، اور رولینڈ ہلز اسے کم کرنے کے لئے جان توڑ کوشش میں لگ گیا۔ اور ۱۸۳۷ء میں "PAMPHLET" پمفلٹ شائع کیا جس میں "POST OFFICE REFORM" کرنے اور کم فیس وصول کرنے کی مانگ کی کہ جتنا سفر چٹھی طے کرے اتنی ہی اس پر فیس لگنی چاہیئے اور صلاح دی کہ لفافے بنائے جائیں جس پر ٹکٹ چھپا ہو یا نہیں تو جو اپنے لفافے استعمال کرے اس پر الگ سے لیبل چپکاں کرے تب حکومت برطانیہ نے اس بات پر عوام سے رائے مانگی اور چار سو پونڈ کے انعامات رکھے جس میں عوام سے کہا گیا کہ ٹکٹ استعمال کیلئے آسان ہو ٹکٹ نقل سے محفوظ ہو اور آپ کی آسانی سے پوسٹ آفس میں جانچ ہو سکے اس پر قریب ۲۶۰۰ر "ESSAYS" وصول ہوئے سب سے اچھا طریقہ رولینڈ ہلز کی جدوجہد کا نتیجہ ثابت ہوا اور اسطرح دنیا میں اسٹیمپ وجود میں آیا اور برطانیہ کی کمپنی "MESSRS PERKINS BECON & CO" نے ۶ر مئی ۱۸۴۰ء میں "PENNY BLACK" میں نکالا اس طرح ۱۸۴۰ء میں برطانیہ پہلا ملک ہے جس نے اسٹیمپ نکالا ۱۸۴۳ء میں برازیل جنیوا اور "ZURICH" نے ۱۸۴۷ء میں امریکہ، ماریشس "TRI-NIDAD" نے ٹکٹ نکالا، ۱۸۵۱ء میں کینیڈا

...کم فیس لی جاتی تھی جو فاصلے کے رو سے [illegible] کا کوئی ٹکٹ نہیں ہوتا تھا اور وہ رقم چٹھی دینے [illegible] جاتی تھی اور اس پر صرف "Post [illegible]" کی مہر لگائی جاتی تھی اور جو پوسٹل فیس نہیں دیتا تھا ان چٹھیوں پر "Bearing" "UNPAID" یا پھر "Post Not Paid" کی مہر لگائی جاتی تھی، جو چٹھی دینے والوں سے لیا جاتا تھا۔

۱۸۴۰ء میں ایک ایکٹ پاس ہوا، جس کی رو سے پہلا ڈاکخانہ قائم کرنے، ڈاک کے نظام کو سلیقے سے اچھے ڈھنگ سے چلانے اور ہندوستان میں چلانے کا معاملہ طے ہوا، پھر ۱۸۳۵ء میں رولینڈ [illegible] اور انڈیا نے ۱۸۵۲ء "SCINDE DAWK" ٹکٹ نکالا کیونکہ اس وقت MR. BARTLE - FRERE - سندھ کا کمشنر تھا، یہ اسی کی جدوجہد کا نتیجہ ہے اور جاپان نے ۱۸۷۱ء میں، اس طرح بھی ملکوں نے یکے بعد دیگرے اپنے اپنے ڈاک ٹکٹ نکالے اور ٹکٹ کا سلسلہ اس طرح شروع ہوا۔

ٹکٹ جمع کرنے اور غیر ممالک سے خط و کتابت کرنے سے ہر ملک کے رہن سہن، بول چال اور وہاں کی ساری باتوں کی معلومات ہوتی ہیں، لوگ ایک دوسرے سے آپس میں خط و کتابت کرنے سے لگاؤ بڑھتا ہے اور ہر ملک والا اپنے ٹکٹوں میں جغرافیائی، تاریخی، مذہبی قسم کے ٹکٹ نکالتے ہیں جس میں مندر، مسجد، تصاویر، پل، چڑیا، جانور، مکھیاں، ڈانس، دلہن، مشین، سمندر اور دوسرے قسم کی تصویروں کے ساتھ نکالتے ہیں۔

اب سوال یہ اٹھتا ہے کہ اسے کس طرح رکھا جائے تو عرض ہے کہ ٹکٹوں کی البم قریب ہر ملک میں نکلتی ہے اب آسانی سے جو مل جائے وہی اسکے لئے بہتر ہے ویسے امریکہ میں ایک کمپنی ہے جو "MINKAS - PUBLICATIONS" کے نام سے مشہور ہے اسکی البم تمام ملکوں سے بہتر ہے، میرے پاس بھی اسی کمپنی کی البم ہے جو (THE MASTER - GLOBAL STAMPS ALBUM) کے نام سے مشہور ہے اور اس البم میں قریب ساٹھ فیصدی [illegible] چاہیے اس میں آسانی ہے کہ دیکھ کر اس [illegible] کو دیا اور ٹکٹ کے لیے "HINGES" کا استعمال لازمی ہے، کیونکہ "HINGES" سے

برطانیہ پہلا ملک ہے
جس نے ۱۸۴۰ء میں پہلا
ڈاک ٹکٹ جاری کیا۔

ٹکٹ اور البم دونوں محفوظ رہتے ہیں اور اس کے لگانے کا طریقہ یہ ہے کہ ۲/۳ فولڈ ٹکٹ پر اور ۱/۳ البم پر چسپاں کرنے اور "HINGES" میں گم بھی ہلکا سا ہوتا ہے جو نہ تو ٹکٹ اور نہ ہی البم کو خراب کرتا ہے اسطرح ٹکٹ صاف رہتا ہے اور محفوظ بھی، ٹکٹ کو بجائے ہاتھ لگانے کے "TWEEZER" (امریکن اسے TONGS کہتے ہیں) سے پکڑتے ہیں اسطرح ٹکٹ صحیح رہنے کے ساتھ اس کا (PERFORATION) ضائع نہیں ہوتا اور اسے اچھا اور خراب دیکھنے کے لئے (MAGNI-FYING GLASS) کا استعمال کرتے ہیں جس سے اچھے اور خراب ٹکٹوں کی شناخت کی جا سکتی ہے، ٹکٹوں کے چاروں طرف (PER-FORATION) ہوتا ہے جس کو (PER-FORATION GAUGE) سے ناپتے ہیں اور یہ الگ سائز کے ہوتے ہیں، یہ اگر ایک بھی (PERFORATION) ضائع یعنی دانت ٹوٹ جائے تو وہ ٹکٹ (Good Collection) میں نہیں ہوتا بلکہ ہر ٹکٹ کا دانت صحیح ہو اور ٹکٹوں کے پیچھے کا حصہ (FREE FROM PAPER)

ایک سینٹ کا ٹکٹ
تقریباً ۳۶ لاکھ روپے میں
فروخت ہوا یہ دنیا کا
سب سے نادر اسٹیمپ ہے

ہو اور Neat & Clean ہو اور ٹکٹوں پر ٹکٹ کے بھی ہلکے نشان ہوں ان سب باتوں کا دھیان رکھنا ضروری ہوتا ہے۔

اب یہ جاننا ضروری ہوتا ہے کہ ٹکٹ جمع کرنے سے کیا فائدہ یا نقصان ہے، سچ تو یہ ہے کہ ٹکٹ جمع کرنے سے وقت بہت ضائع ہوتا ہے لہذا طالبعلم کے لئے یہ صحیح نہیں کیونکہ ٹکٹ جمع کرنے میں وقت دینے سے اسکی پڑھائی میں کافی نقصان ہوتا ہے لہذا صرف فالتو وقت میں ہی اس شغل پر توجہ دیں کیونکہ اس میں فائدے تو بے شمار ہیں، ٹکٹ جمع کرنے اور پرانے یا RARE ہونے پر کافی پیسہ بھی ملتا ہے جیسے مثال کے طور پر (BRITISH GUIANA) کے ایک ONE CENT کا ٹکٹ لے لیں دراصل ۱۸۵۶ء میں (BR. GUI-ANA) میں ٹکٹوں کی کمی ہوگئی اور سپلائی آنے میں کوتاہی ہوگئی مقامی WATERLO & SONS BRITISH PRINTER سے Magenta پیپر میں BLACK INK سے 4 CENT چھپا، پر چونکہ ٹکٹ کی "Quality" بہت ہی "Poor" تھی لہذا Post Master نے FORGERY ہونے سے بچنے کے لئے (POSTAL OFFICIAL) سے کہا کہ ٹکٹ SELL ہونے سے قبل ہر ٹکٹ پر INI-TIAL کیا جائے اسطرح غلطی سے ONE CENT کے ایک ٹکٹ پر E.D. WIGHT کا INITIAL ہوگیا، INITIAL والا ٹکٹ BRITISH - GUIANA (JERNON - VANGHAN) Collector کے ایک ٹکٹ کو ملا اور اس نے اچھے دام پر بیچا اسی طرح یہ ٹکٹ ایک سے دوسرے پھر تیسرے اور چوتھے تک بکا اور آخر میں یہ ONE CENT کا ٹکٹ 2,80,000 $ یعنی قریب RS. 36,00,000 میں بکا اور اب یہ ٹکٹ (MR. FINBER KENNY) کے پاس ہے جو امریکہ کا رہنے والا ہے، یہ ٹکٹ دنیا کا سب سے زیادہ قیمتی اور نادر ٹکٹ ہے اور اس ٹکٹ پر کالونی کا SEAL، اوپر انگریزی میں DAMUS PETIMUS QUE نیچے ONE VELISSM، دائیں طرف ONE CENT اور بائیں طرف "POSTAGE" اور بیچ میں SHIP کی تصویر ہے۔

اسطرح دوسرے نمبر کا RARE ٹکٹ جو (BR.-GUIANA) سے کم VALUE کا ہے وہ ہے "MAURITIUS" کا 1d اور 2.d کا ٹکٹ MAURITIUS دنیا کا ساتواں ملک ہے جس نے ۱۸۴۷ء میں ٹکٹ نکالا اور نام پیدا کیا LADY GOMM جو اسوقت "MAURI-TIUS" کے گورنر کی بیگم تھی ۲۰ ستمبر ۱۸۴۷ء میں ایک FANCY DRESS BALL قائم کرنا چاہتی تھی کہ وہ INVITATION LETTER پر ٹکٹ لگا کر اس کی شروعات کرے پر چونکہ وقت کم تھا لہذا مقامی طور پر اسے چھاپنا چاہتی تھی تو اب ا۔ جھوٹے۔ ISLAND (جزیرہ) جو (IND-IAN OCEAN) (بحرہند) میں واقع ہے تو ... پریس نہیں تھیں لہذا اس جزیرہ میں "BARNARD" نام کا ایک آدمی تھا ENGRAVE کرنا جانتا تھا، اسے 500 DESIGN EACH "1d، 2d" PLATE پر ENGRAVE کرنے کو کہا گیا جس میں QUEEN VICTORIA'S HEAD بیچ میں اوپر POSTAGE اور VALUE 1d - 2d دونوں ٹکٹوں کے نیچے اور دائیں طرف "MAURITIUS" اور بائیں طرف POST PAID، پر "BARNARD" نے غلطی سے بائیں طرف POST PAID کی جگہ POST OFFICES چھاپ کر سپلائی دے دیا یہ ٹکٹ ۲۰ ستمبر ۱۸۴۷ء کو SALE ہوا پر کسی نے یہ POST PAID کی جگہ "POST-OFFICES" جو ٹکٹوں پر چھپا غلطی نہیں پکڑی اور اس غلطی کا ۱۸۶۴ء تک کسی کو پتہ نہ چلا اسوقت MADAM BORCHARD جو BOR-DEAUX MERCHANT کی بیگم تھی اسے اس کے شوہر کی چٹھیوں میں ۱۲ ٹکٹ ملا۔ اور وہ ٹکٹ ایک سے دوسرے پھر تیسرے اور چوتھے پانچویں تک بک کر ۱۹۶۸ء میں H.R. HARMER of ENGLAND کے مشہور AUCTION نے امریکہ میں 158,333 $ یعنی قریب RS. 32,00,000 میں Auction کیا۔

اسطرح ایک ہندوستان کا ٹکٹ "SCIN-DE DAWK" ہے جو ۱۸۵۲ء میں نہ کہ ہندوستان بلکہ ایشیا کا یہ پہلا ٹکٹ ISSUE ہوا یہ HALF ANNA کا RED COLOUR کا ہے چونکہ کم تعداد میں چھپا لہذا اس ٹکٹ کی قیمت قریب 40,000 روپے بتائی جاتی ہے۔ ایک اور ٹکٹ ۲ اکتوبر ۱۹۴۸ء میں گاندھی کے یوم پیدائش کے موقع پر $1\frac{1}{2}$a، $3\frac{1}{2}$a، 12.a — اور 10/- RS کے VALUE کے چار ٹکٹ ISSUE ہوئے — پر (OFFICIAL USE) اور خاصکر (VICEROY USE) کے لئے سبھی ٹکٹ (OVER PRINT SERVICE) ہوا پر RS. 10/- کے صرف 100 ٹکٹ OVER PRI. ہوئے پر چونکہ کم تعداد OVER PRI. ہونے کی تھی اور کچھ (POSTALLY USE) بھی ہوا کچھ ضائع بھی ہو گیا لہذا کم تعداد میں ہونے کی وجہ سے اس ٹکٹ کی قیمت RS.10,000 بتائی جاتی ہے یہ سب فوائد ٹکٹوں کے جمع کرنے سے ہوتے ہیں۔

ٹکٹوں کے لیے یہ بھی بتانا ضروری ہے کہ شاہ فاروق جو مصر کا بادشاہ تھا جب اسے جلاوطن کیا گیا تو وہ ٹکٹوں کے 1100 البم اپنے ساتھ لے گیا اور دنیا کا بڑا ذخیرہ تھا آخر وقت میں اس نے اپنے ٹکٹوں کا CATALOGUE PRI-CE کی شکل میں چھپوا کر اسے بیچا اور پھر ٹکٹوں کو AUCTION کرکے اپنی بقیہ زندگانی بیگم DENA کے ساتھ گذاری، امریکہ کے سب سے پہلے صدر (FRANKLIN D. ROSEVELT) خود بھی ٹکٹ جمع کرتے تھے انہوں نے ٹکٹ کے متعلق ایک کتاب جسکا نام (THE COMPLETE GUIDE TO STAMP COLLECTING) ہے اور جسے امریکن مصنف P.H. THORP نے لکھا ہے، لکھتے ہیں کہ STAMP COLLECTING KING OF HOBBIES یعنی یہ تمام مشاغل کا بادشاہ ہے اور بہت ساری باتیں ٹکٹ جمع کرنے سے متعلق بتائی ہیں اور وہ دنیا کے مشہور "PHIL-ATELIST" تھے۔

اب یہ واضح ہوگیا کہ ٹکٹ جمع کرنے کے کیا کیا فوائد ہیں معلومات اور طرح طرح کی باتوں کا علم ہوتا ہے، انکے ذریعے خط و کتابت بھی ہوتی ہے اور پرانے ہونے پر کافی پیسے بھی ملتے ہیں۔

★★

بقیہ:- انٹرویو

توڑ پھوڑ کا یہ عمل شروع ہو جائے گا اور یہ ساری باتیں خود پاکستان کے حق میں جاتی ہیں۔

احوال : خود مختار کشمیر کے پاکستان سے تعلقات کیسے ہونگے؟

فاروق حیدر : سیاسی جغرافیائی پوزیشن ایسی ہے کہ کشمیر آزاد ہو بھی جائے تو پاکستان کی جیب سے باہر نہیں نکل سکتا اسے آزادی کے بعد پاکستان کے ساتھ بہت سارے سمجھوتے کرنا پڑیں گے، دفاع اور فارن افیرز کے لئے پاکستان کی رائے اور مرضی معلوم کرنا پڑے گی، خود مختار کشمیر پاکستان کی سالمیت کے لیے بڑا ہی سودمند ثابت ہوگا۔ بھارت سے تو ہم لڑ رہے ہیں، پاکستانی قوم ہماری مدد کر رہی ہے تو پھر ہم نے آزاد ہو کر — آخر جانا کہاں ہے۔

احوال : مقبوضہ کشمیر کی تازہ صورت حال کیا ہے؟

فاروق حیدر : ہم نے جنگی حکمت عملی تبدیل کرلی ہے اور اپنے مجاہدوں کو شہروں سے نکال کر پہاڑی، دیہی علاقوں میں منتقل کر دیا ہے جہاں سے ہم آسانی کے ساتھ بھارتی آرمی کو نشانہ بنا رہے ہیں اور اب تو صورت حال یوں ہے کہ بھارت کی ساری افواج مل کر بھی مجاہدین کی تحریک آزادی کو دبا نہیں سکتی ہیں، جنگل، پہاڑ، غاریں، گوریلا وار کے لئے ضروری ہیں اور یہ ساری چیزیں کشمیر میں مجاہدین کے پاس پہلے سے موجود ہیں۔

احوال : پاکستان کے اندرونی عدم استحکام سے تحریک حریت پر کیا اثرات مرتب ہوتے ہیں؟

فاروق حیدر : پاکستان کے اندرونی حالات پر کشمیریوں کو گہری تشویش لاحق ہے کیونکہ مضبوط پاکستان کشمیر کی آزادی کی ضمانت ہے پاکستان کا استحکام ہمیں بے حد عزیز ہے پاکستان ہے تو کشمیر ہے، ورنہ کچھ نہیں۔

احوال : پاکستان پر بھارتی حملے کے امکانات؟

فاروق حیدر : بھارت بنیا ہے، جب دیکھے گا کہ کشمیر میں نقصان ہو رہا ہے وہ جنگ سے نہیں ہوگا تو وہ پاکستان پر لشکر کشی کردیگا اور اگر اسے یہ اندازہ ہوگیا کہ جنگ کی نسبت کشمیر میں نقصان کم ہو رہا ہے تو وہ کبھی بھی جارحیت کی حماقت نہیں کرے گا۔

آپ کا اسم گرامی نعمان، کنیت ابو حنیفہ، لقب امام اعظم اور شجرۂ نسب نعمان بن ثابت بن زوطی بن ماہ تھا۔

تحریر عزیز اللہ جلالی

آپ کا نام نامی اسم گرامی نعمان کنیت ابو حنیفہ اور لقب امام اعظم اور شجرہ نسب نعمان بن ثابت بن زوطی بن ماہ۔ شجرہ نسب سے صاف ظاہر ہے کہ امام صاحب عجمی النسل تھے۔ تاریخ بغداد میں خطیب بغدادی نے امام صاحب کے پوتے اسماعیل کی زبانی روایت نقل کی ہے کہ میں اسماعیل بن حماد بن نعمان بن ثابت بن مرزبان ہوں۔ ہم لوگ نسل فارس سے ہیں اور کبھی کسی کی غلامی میں نہیں آئے۔ ہمارے دادا ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ ۸۰ھ میں پیدا ہوئے ثابت بچپن میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی خدمت میں حاضر ہوئے انہوں نے ان کے خاندان کے حق میں دعائے خیر کی تھی۔ ہم کو امید ہے کہ وہ دعا بے اثر نہیں رہی۔

امام صاحب کے پوتے اسماعیل نے اپنے پردادا کا نام نعمان بتایا اور سگڑدادا کا نام مرزبان عام طور پر زوطی اور ماہ مشہور ہیں۔ غالباً جب زوطی ایمان لائے تو ان کا نام زوطی سے نعمان میں بدل گیا۔ اور اسماعیل نے سلسلہ نسب کے بیان میں زوطی کا وہی اسلامی نام لیا۔ اور حمیت اسلامی کا مقتضا بھی یہی تھا زوطی کے والد کا نام غالباً کچھ اور ہوگا۔ اور ماہ اور مرزبان لقب ہوں گے کیونکہ اسماعیل کی روایت سے اس قدر اور بھی ثابت ہے کہ ان کا خاندان فارس کا ایک معزز اور مشہور خاندان تھا فارسی میں رئیس شہر کو مرزبان کہتے ہیں۔ اس لئے نہایت قرین قیاس ہے کہ ماہ اور مرزبان لقب ہیں۔ نہ کہ نام۔

عام طور پر دشمنوں نے امام صاحب کے متعلق یہ مشہور کر دیا کہ وہ غلام تھے۔ حالانکہ یہ بات قطعاً غلط ہے۔ کیونکہ امام صاحب نے وہ سیرت دوام حاصل کی جس سے جریدۂ عالم پر ان کی زندگی نقش ہو گئی۔ جیسا کہ مشہور ہے کہ ثبت است بر جریدۂ عالم دوام۔ امام صاحب کے والد بزرگوار کوئی ایسی مشہور شخصیت نہ تھے کہ جس سے ان کے حالات ضبط تحریر میں لائے جاتے۔ لہٰذا مورخوں نے ان کا کوئی تذکرہ نہیں کیا۔ البتہ اتنا معلوم ہوتا ہے کہ مشغلہ حیات تجارت تھا۔ جب عمر عزیز چالیس کے قریب ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے وہ عظیم فرزند عطا کیا۔ جس کے نام کو اللہ تعالیٰ نے رہتی دنیا تک زندہ و تابندہ رکھا امام صاحب کی پیدائش کے وقت عبدالملک بن مروان کی حکومت تھی۔ جو دولت مروانیہ کا دوسرا تاجدار تھا اس مبارک دور میں کچھ ایسے خوش قسمت لوگ موجود تھے۔ جن کی آنکھوں نے آقائے دوجہاں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے رخ انور کا دیدار کیا تھا۔ اور ان خوش قسمت انسانوں میں سے کچھ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے عہد شباب تک زندہ رہے تھے۔ انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی وفات ۹۳ھ میں ہوئی۔ سہل بن سعد رضی اللہ عنہ کا انتقال ۹۱ھ میں ہوا۔ اور ابو طفیل عامر بن واثلہ ایک صد ہجری تک حیات تھے۔ امام ابو حنیفہ نے ان بزرگوں میں سے کسی ایک سے بھی روایت نہیں کی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ امام ابو حنیفہ اس وقت امام ابو حنیفہ نہیں تھے۔ بلکہ ایک عام تاجر زادے نعمان بن ثابت تھے۔

امام صاحب چونکہ ایک تاجر گھرانے میں پیدا ہوئے لہٰذا ان کی ساری توجہ اپنے اس آبائی پیشہ کی طرف تھی البتہ خاندانی وجاہت و عزت ایسی تھی کہ بے علم بھی نہ رہے اور اس دور کے لوگوں کی طرح کچھ نہ کچھ سیکھتے رہے لیکن اتنا نہیں کہ ہم اسے خاص طور پر تعلیم سے متعلق سمجھیں۔ البتہ اتنا ضرور ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جس کام کے لئے ان کو پیدا فرمایا تھا اس کے آثار امام صاحب کی روشن پیشانی میں صاف دیکھے جا سکتے تھے۔ چنانچہ شبلی نعمانی امام صاحب کے علم دین کے بارے میں فرماتے ہیں کہ ایک دن بازار جا رہے تھے امام شعبی جو کوفہ کے مشہور امام تھے ان کا مکان راستہ میں تھا سامنے سے نکلے تو انہوں نے یہ سمجھ کر کہ کوئی نوجوان طالب علم ہے۔ پاس بلایا اور پوچھا کہاں جا رہے ہو۔ انہوں نے ایک سوداگر کا نام لیا۔ امام شعبی نے کہا کہ میرا مطلب یہ تھا کہ تم پڑھتے کس سے ہو

عام طور پر دشمنوں نے امام صاحب کے متعلق یہ مشہور کر دیا کہ وہ غلام تھے حالانکہ یہ بات قطعاً غلط ہے

امام اعظم نے حضرت امام شعبیؒ سے علم حدیث حاصل کیا؛ جن کے متعلق مشہور ہے کہ انہوں نے پانچ سو صحابہؓ کو دیکھا تھا

انہوں نے افسوس کے ساتھ جواب دیا کہ کسی سے بھی نہیں امام شعبی نے کہا کہ مجھ کو تم میں قابلیت کے جوہر نظر آتے ہیں تم علماء کی صحبت میں بیٹھا کرو۔ اس نصیحت نے ان کے دل میں گھر کر لیا اور نہایت اہتمام سے تحصیل علم پر متوجہ ہوئے۔ اس وقت کے مروجہ علوم ادب انساب، ایام العرب، فقہ، حدیث اور علم الکلام تھے۔

حماد کوفہ کے مشہور امام اور استاذ وقت تھے۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے کفش بردار اور خادم خاص تھے سے حدیث کی سماعت کی تھی اور بڑے بڑے تابعین کے فیض صحبت سے مستفید ہوئے تھے اس وقت کوفہ میں انہیں کا مدرسہ مرجع عام تھا۔ امام صاحب نے علم فقہ پڑھنا چاہا تو استادی کے لئے انہیں کو منتخب کیا اس وقت درس کا طریقہ یہ تھا کہ استاد کسی خاص مسئلہ پر زبانی گفتگو کرتا تھا۔ جس کو شاگرد یاد کر لیتے اور کبھی لکھ لیا کرتے تھے امام ابوحنیفہ پہلے دن بائیں صف میں بیٹھے کیونکہ مقتدیوں کے لئے یہ امتیاز عموماً قائم رکھا جاتا تھا۔ لیکن چند روز کے بعد جب حماد کو تجربہ ہو گیا کہ تمام حلقہ میں ایک شخص بھی حافظہ اور ذہانت میں ان کا ہمسر نہیں ہے تو حکم دیا کہ ابوحنیفہ سب سے آگے بیٹھا کریں۔

خود امام صاحب کا بیان ہے کہ میں حماد کے درس میں دو برس تک رہا پھر خیال ہوا کہ خود درس قائم کر دوں لیکن استاد کا ادب مانع آیا۔ اتفاق سے انہی دنوں حماد کا ایک رشتہ دار جو بصرہ میں رہا کرتا تھا انتقال کر گیا۔ حماد کے سوا اس کا اور کوئی وارث نہ تھا اس ضرورت سے ان کو بصرہ جانا پڑا۔ چونکہ مجھے اپنا جانشین مقرر کر گئے تھے۔ تلامذہ اور ارباب حاجت نے میری طرف رجوع کیا۔ حماد کی غیر حاضری میں بہت سے ایسے مسئلے پیش آئے جن میں ان سے میں نے کوئی روایت نہیں سنی تھی اس لئے اپنے اجتہاد سے جواب دیئے اور احتیاطاً ایک یادداشت لکھتا گیا۔ دو مہینے کے بعد حماد بصرہ سے واپس آئے میں نے وہ یادداشت خدمت میں پیش کی۔ کل ساٹھ مسئلے تھے ان میں سے بیس میں غلطیاں نکالیں۔ باقی کی نسبت فرمایا کہ تمہارے جواب صحیح ہیں۔ میں نے دل میں عہد کیا کہ حماد جب تک زندہ ہیں ان کی شاگردی کا تعلق نہ چھوڑوں گا۔ امام حماد کا انتقال ۱۲۰ھ میں ہوا۔ امام ابوحنیفہ نے اگرچہ اور فقہاء سے بھی تحصیل فقہ کی تھی لیکن فی الحقیقت فقہ میں ان کے اول و آخر استاد حماد ہی تھے۔

حماد کی زندگی ہی تک امام صاحب نے علم حدیث کی طرف توجہ کی کیونکہ تفقہ فی الدین علم حدیث سے مکمل آگہی کے بغیر ناممکن تھی۔ اس وقت تمام ممالک اسلامیہ میں بڑے زور شور سے حدیث کا درس جاری تھا اور ہر جگہ مسند اور روایت کے درس کھلے ہوئے تھے صحابہؓ جن کی تعداد کم از کم دس ہزار تھی تمام ممالک میں پہنچ گئے تھے اور اس کی وجہ سے اسناد و روایت کا ایک عظیم الشان سلسلہ قائم ہو گیا تھا۔ لوگ جہاں کسی صحابیؓ کا نام سن پاتے تھے ہر طرف سے ٹوٹ پڑتے تھے کہ چل کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات سنیں یا مسائل شرعیہ کی تحقیق کریں۔ اس تابعین کا جو صحابہ کے شاگرد کہلاتے تھے۔ بے شمار گروہ پیدا ہو گیا تھا جس کے سلسلے تمام ممالک اسلامیہ میں پھیل گئے تھے۔ جن شہروں سے صحابہ یا تابعین کا زیادہ مجمع تھا وہ دارالعلوم کے لقب سے ممتاز تھے۔ ان میں مکہ معظمہ، مدینہ منورہ، یمن بصرہ، کوفہ کو خاص امتیاز تھا۔ کیونکہ اسلامی آثار کے لحاظ سے کوئی شہر ان مذکورہ مقامات کا ہمسر نہ تھا۔

کوفہ کو یہ فخر حاصل کہ یہی شہر امام اعظم کا مسکن تھا اسلام کی تمدنی زندگی کا اہم گہوارہ یہی شہر تھا۔ امام صاحب نے جن محدثین سے علم حدیث حاصل کیا ان میں حضرت امام شعبی (ان کے متعلق مشہور ہے کہ انہوں نے پانچ سو صحابہؓ کو دیکھا تھا۔) حضرت مسلمہ بن کہیل حضرت ابو اسحاق شیبی حضرت سماک بن حرب حضرت محارث بن دثار حضرت ہشام بن عروۃ، حضرت سیمان بن مہران حضرت قتادہ، حضرت شعبہ، ان اساتذہ سے علم حاصل کرنے کے بعد حدیث کا بہت بڑا ذخیرہ ہاتھ آیا۔ تاہم تکمیل سند کے لئے حرمین شریفین جانا ضروری سمجھا۔ مکہ معظمہ میں حضرت عطاءؒ ـــــــ سے استفادہ کیا۔ ایک بار مدینہ منورہ گئے تو امام باقر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے ان کے ساتھی نے تعارف کرایا کہ یہ امام ابوحنیفہؒ ہیں۔

امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ روایت میں بے حد محتاط تھے۔ امام صاحب کی زندگی کا سب سے بڑا کارنامہ فقہ اسلامی کی تدوین ہے۔ بلاشبہ امام صاحب پہلے شخص ہیں جنہوں نے فقہ اسلامی کو باقاعدہ منظم طریقے سے مدون کیا۔

۱۴۶ھ میں منصور نے امام صاحب کو قید کر دیا۔ لیکن قید کرنے کے باوجود امام صاحب کی طرف سے خطرہ لاحق تھا بغداد دارالخلافہ ہونے کی وجہ سے علوم و فنون کا مرکز بن گیا تھا۔ طالبان کمال اسلامی ملکوں کے گوشے گوشے سے اٹھ کر بغداد کا رخ کرتے تھے۔ امام صاحب کی شہرت دور دور پہنچ چکی تھی قید کی حالت نے ان کے اثر اور قبول عام کو بجائے کم کرنے کے اور زیادہ کر دیا تھا۔ آپ کو بے خبری میں زہر دلوا دیا گیا۔ جب ان کو زہر کا اثر محسوس ہوا تو سجدہ کیا اور اسی حالت میں قضا کی۔ ان کے مرنے کی خبر سن کر سارا بغداد امڈ آیا۔ حسن بن عمارہؒ نے جو شہر کے قاضی تھے غسل دیا۔ غسل سے فارغ ہوتے ہی لوگوں کی اتنی کثرت ہوئی کہ پہلی بار نماز جنازہ میں کم و بیش پچاس ہزار کا مجمع تھا۔ اس پر آنے والوں کا سلسلہ قائم تھا۔ یہاں تک کہ چھ بار نماز جنازہ پڑھی گئی۔ اور عصر کے قریب آپ کو سپرد خاک کیا گیا۔

امام ابو یوسف آپ کے شاگرد رشید فرماتے ہیں۔ کہ آپ نہایت پرہیزگار تھے۔ منہیات سے بچتے تھے۔ اکثر چپ رہ کر سوچا کرتے تھے۔ کوئی شخص مسئلہ پوچھتا اور ان کو معلوم ہوتا تو جواب دیتے ورنہ چپ رہتے نہایت سخی اور فیاض تھے کسی کے آگے حاجت نہ لے جاتے اہل دنیا سے احتراز تھا۔ دنیاوی جاہ و عزت کو حقیر سمجھتے تھے۔ غیبت سے بہت بچتے تھے۔ جب کسی کا ذکر کرتے تو بھلائی کے ساتھ کرتے بہت بڑے عالم تھے مال کی طرح علم صرف کرنے میں بھی بڑے فیاض تھے۔

امام صاحب کو خدا نے حسن سیرت کے ساتھ جمال صورت بھی دیا تھا۔ میانہ قد خوش رو۔ اور موزوں اندام تھے گفتگو نہایت شیریں اور آواز بلند اور صاف تھی۔ کیسا ہی پیچیدہ مضمون ہوتا۔ نہایت فصاحت اور صفائی سے بیان کرتے۔

●●

"جانوروں سے ہم کیا سبق لیتے ہیں"

عبدالقیوم فتح محمد قریشی۔ حیدرآباد

- چیونٹی سے کفایت شعاری اور عاجزی و انکساری
- مرغی سے بچوں کی پرورش۔
- شیر سے دلیری اور بہادری۔
- کتے سے وفاداری اور مہمان داری۔
- عقاب سے بلند پروازی۔
- گھوڑے سے تیزی اور چستی۔
- الو سے دانائی۔
- ہرن سے بیداری اور ہوشیاری۔
- بندر سے چالاکی اور حکمت۔
- بلی سے چوری اور عقلمندی۔
- کیڑے مکوڑے سے نظم و ضبط اور قطار بنانا۔
- گدھے سے صبر و شکر اور وفاداری۔
- طوطے سے آنکھیں پھیر لینا۔

شیر کے بارے میں معلومات

مرسلہ: محمد عبدالمجید قادری۔ حافظ آباد

- شیر مرغ کی بانگ، مور کے ٹھونگے اور بلی سے بہت ڈرتا ہے۔
- شیر کا دانت اپنے پاس رکھنے والے کے دانت میں درد نہیں ہوگا۔
- شیر کا جسم ہمیشہ گرم رہتا ہے۔
- شیر کا خاص وصف یہ ہے کہ اسے پیاس کم لگتی ہے
- کپڑوں کے صندوق میں شیر کی کھال کے ٹکڑے رکھنے سے کپڑوں کو کسی قسم کا کیڑا نہیں لگتا۔
- حضرت سیدنا ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ خوش قسمت آدمی ہیں جنہوں نے شیر کا کان پکڑ کر فرمایا جاؤ راستہ چھوڑ دو تو شیر جنگل کی طرف چلا گیا۔
- شیر کی کھال پر بیٹھنے سے بواسیر اور گٹھیا کا مرض جاتا رہتا ہے۔
- شیر کے عربی میں تقریباً پانچ سو (۵۰۰) نام ہیں
- گدھا ایسا حیوان ہے جو شیر کی گرج سے ڈر کر نہیں بھاگتا
- شیر اگر بیمار ہو جائے تو بندر کھانے سے ٹھیک ہو جاتا

مشعل راہ

ایک مرتبہ قریش کے معزز گھرانے کی ایک عورت نے چ

رنگ احوال

ایم اے ساجد

اشوک اعظم

مرسلہ: عرفان امین، فیصل ال ایریا

۲۷۳ – ۲۳۲ ق م چندر گپت موریہ کا پوتا اور قدیم ہندوستان کا نامور راجا تھا اس کی سلطنت سلسلہ ہمالیہ سے مدراس تک پھیلی ہوئی تھی۔ بدھ مت اختیار کرنے والا یہ پہلا حکمران تھا اس نے بدھ مت کی اشاعت کے لیے بہت کام کیے۔ اس وجہ سے بدھ مت بڑی تیزی سے پھیلا۔

حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم

مدینہ منورہ کا گورنر مروان بن الحکم روضۂ مبارک کے پاس حاضر ہوا تو دیکھا ایک شخص قبرِ انور سے چمٹا ہوا پڑا ہے۔ مروان نے اس کی گردن پکڑ کر کہا اسے معلوم بھی ہے کہ تو کیا کر رہا ہے۔ اس شخص نے سر اٹھا کر جواب دیا ہاں میں جانتا ہوں میں کسی پتھر یا اینٹ کے پاس نہیں آیا بلکہ حضور کے پاس حاضر ہوا ہوں۔ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دربار گہربار میں حاضر ہوں۔ اے مروان جب بدکردار لوگ حاکم بنیں تو دین کی حرمت پر رونا جب اہل لوگ دین کے والی بنیں تو رونا چاہیے۔ مروان یہ گرم گرم جملے سن کر خاموشی سے ساتھ چلا گیا۔ مطلب بن عبداللہ کہتے ہیں کہ یہ بزرگ جنہوں نے مروان گورنر کو مجبور کر ڈانٹ دیا جلیل القدر صحابی حضرت ابو ایوب انصاریؓ تھے۔

مرسلہ: محمد عباس البیر ہندوستانی ڈاکخانہ ہاشم کلاں براستہ پتوکی ضلع قصور

سخاوت

ذوالفقار علی سعیدی ملتانی، علی پور، ضلع مظفر گڑھ

حضرت عبداللہ بن مبارکؒ ایک سال حج کو گئے، ادائیگیٔ حج کے بعد تھوڑی دیر کے لیے سو گئے، خواب میں دیکھا کہ دو فرشتے اترے ان میں سے ایک نے دوسرے سے پوچھا اس سال کتنے لوگوں نے حج کیا۔ اس نے جواب دیا چھ لاکھ آدمی حج میں آئے، پہلے تو حج کسی کا قبول نہ ہوا لیکن پھر حق تعالیٰ نے علی بن موفق نامی ایک کفش دوز کے طفیل جو دمشق میں رہتا ہے اور خود حج میں شامل نہیں ہو سکا، سب کا حج قبول کر لیا، یہ سن کر آپ بہت بیقرار ہوئے، بیداری کے بعد اس شخص کو ملنے کا ارادہ کیا تاکہ اس سے پوچھیں کہ اس نے کونسا عمل کیا، آپ دمشق پہنچے اور تلاش کیا اور پوچھا کہ تم نے کون سا عمل کیا کیونکہ میں نے تمہارے متعلق ایسا خواب دیکھا ہے وہ رو پڑا اور کہنے لگا حضرت میں تیس سال سے حج کی آرزو رکھتا تھا جوتیوں کو پیوند لگا لگا کر زادِ راہ جمع کرتا رہا اس سال تین سو درہم ہو گئے تو میں حج کے لیے تیار ہوا ایک رات میری بیوی نے جو کہ حاملہ تھی مجھ سے کہا کہ ہمسایہ کے گھر سے سالن کی خوشبو آ رہی ہے، میرا دل سالن کو چاہتا ہے اور ان سے تھوڑا سا سالن لا دو میں ہمسائے کے گھر میں گیا اس نے کہا کہ بھائی مجھے سالن دینے میں کوئی اعتراض نہیں ہے لیکن نہ ہی مانگو تو اچھا ہے۔ میں نے نہ دینے کا سبب پوچھا تو اس نے کہا کہ کئی دن ہو گئے ہمیں کچھ کھانے کو نہیں ملا، میرے بچے بھوک سے نڈھال تھے اس لیے آج میں جنگل گیا اور وہاں سے مردار کا گوشت لایا ہوں وہی پکا رہے ہیں، میں نے جو سنا تو میرے دل میں آگ لگ گئی اور اسی وقت میں گھر گیا اور تین سو درہم اس کو دے دیئے اور کہا کہ یہ لو اور اپنے اہل و عیال پر خرچ کرو میں اسی کو حج سمجھ لوں گا، بس میرا یہی عمل ہوا۔ آپ نے فرمایا تو نے سچ کہا، اس کے بعد آپ کی طبیعت میں سخاوت کی صفت حد سے بڑھ گئی۔

حضرت بہلول

مرسلہ: محمد حسن رضا گوندل

- حضرت بہلولؒ قبرستان میں رہتے تھے۔ ایک دن حضرت سری سقطیؒ نے ان سے پوچھا "برادر! آپ شہر میں کیوں نہیں رہتے؟"

انہوں نے جواب دیا "میں بہت اچھے لوگوں کے پاس رہتا ہوں۔ ان کے قریب بیٹھتا ہوں تو مجھے تکلیف نہیں پہنچاتے اور ان سے دور رہتا ہوں تو میری غیبت نہیں کرتے۔"

ذرا مسکرا لیجئے

○ دو سہیلیاں ایک دعوت میں گئیں۔ کھانا کھانے کے بعد ایک نے دوسری سے پوچھا۔

"تمہیں کونسی ڈش پسند آئی؟"

دوسری نے جواب دیا۔

"مجھے تو شیل کی ڈش بہت پسند آئی"۔

— محمد صابر خان درانی، مظفر گڑھ

کی۔ چوری کی سزا اسلام میں ہاتھ کاٹ دینا ہے۔ لوگوں نے جب عورت کے خاندان کی عظمت اور پھر سزا کی نوبت پر نگاہ کی تو بعض لوگوں کو یہ چیز گراں گزری اور انہوں نے قانون کے استعمال میں اسی فرق مراتب کو ملحوظ رکھنا چاہا جس کے وہ جاہلیت میں عادی تھے۔ چنانچہ اسامہؓ بن زید سے جو آنحضرتؐ کو نہایت محبوب تھے، درخواست کی گئی کہ وہ اس عورت کے بارے میں آپ سے سفارش کریں۔ انہوں نے لوگوں کے اصرار سے مجبور ہو کر آنحضورؐ سے سفارش کی آپ ان پر نہایت ناخوش ہوئے اور فرمایا کہ تم اللہ کی حدود کے معاملہ میں سفارش کرتے ہو؟ پھر لوگوں کے سامنے ایک خطبہ دیا۔ جس میں یہ فرمایا کہ تم سے پہلے بھی بہت سی قومیں اسی وجہ سے ہلاک ہوئیں کہ جب ان میں کوئی معمولی آدمی چوری کرتا تو اس کو سزا دیتے اور اگر کوئی بااثر آدمی چوری کرتا تو اس کو وہ درگذر کر جاتے لیکن میں ایسا نہیں کروں گا۔ خطبہ جاری رکھتے ہوئے فرمایا۔

اس ذات کی قسم جس کی مٹھی میں محمدؐ کی جان ہے۔ اگر فاطمہؓ بنت محمدؐ نے چوری کی ہوتی تو میں اس کا ہاتھ بھی ضرور کاٹ دیتا۔

مرسلہ: خالد محمود، غلام محمد آباد فیصل آباد

بقیہ:- قیام پاکستان میں علماء کا کردار

کی کانگریس اور کانگریس کے ان حلیفوں نے کوئی دقیقہ گذاشت نہیں چھوڑا۔ مجلس احرار کے واعظان خوش مقال اور علماء شیریں بیان دورے پر نکل پڑے مجھے بمبئی کا وہ جلسہ یاد ہے جس میں مولانا عطاء اللہ شاہ بخاری اور شورش کاشمیری کی خطابت نے رنگ باندھ دیا تھا۔ مگر بُری طرح پٹے۔ دیوبند کے طلباء کی ایک جماعت مولانا حسین احمد مدنی مغفور کی سربراہی میں شہر شہر اور قریہ قریہ گشت کر رہی تھی۔ جہاں موقعہ ملتا مولانا آزاد بھی پرواز کر کے یعنی طیارہ پر اڑ کر پہنچ جاتے تھے۔

غرض کہ تفریق بین المسلمین اور تضعیف شوکت مومنین میں کوئی دقیقہ گذاشت نہیں کیا گیا احرار و خاکسار میدان انتخاب میں زور بیان اور قوت استدلال سے زیادہ دست و بازو کی طاقت کے بل پر اتر آئے جگہ جگہ ہنگامہ آرائی کی، شورش اور بدامنی کے مظاہرے کئے ان کا کوئی جلسہ عظیم الشان" ایسا نہ ہوا جس میں مسلم لیگ کو اور قائداعظم کو ایک ایک منٹ میں سو سو گالیاں نہ دی گئی ہوں۔ قائداعظم کی ذات پر گفتنی و ناگفتنی الزامات نہ لگائے گئے ہوں۔ مسلم لیگ کی قیادت کے خلاف کفر و فسق کے فتوے نہ دیئے گئے ہوں"۔ قارئین اسی طرح پاکستان کی مخالفت کرنے والے افراد و جماعتوں پر تبصرہ کرتے ہوئے جناب ضیاء الاسلام صاحب روزنامہ نوائے وقت میں تحریر کرتے ہیں۔ "اس امر کا تذکرہ ضروری ہے کہ جمعیت العلمائے ہند مجلس احرار اور یونینسٹ پارٹی کے گٹھ جوڑ نے ہمارے قومی اتحاد کو پارہ پارہ کرنے کی جو ناپاک سازش مرتب کی تھی وہ خضر حیات ٹوانہ اور کانگریس کی کولیشن حکومت کی صورت میں منظر عام پر آگئی اور ان دشمنان اسلام نے پنجاب کے مسلم اکثریتی صوبے میں پاکستان کے مخالفین کا تسلط قائم کر دیا اور (مولانا) ابوالکلام آزاد بہ نفس نفیس اس کام کی تکمیل کے لئے لاہور میں عرصہ دراز تک مقیم رہے تاکہ پاکستان کے حصول کے مقصد کو ضرب کاری لگائی جا سکے"۔ (روزنامہ نوائے وقت ۲۶ راگست ۱۹۸۱ء، ص ۳)

قارئین کرام! مندرجہ بالا ناقابل تردید شواہد و حقائق کو دیکھتے ہوئے ہمارے لئے یہ بات عیاں ہو جاتی ہے کہ پاکستان کے قیام اور نظریے کے اصل معمار سنی علماء و مشائخ ہیں نہ کہ وہ علماء جنہوں نے کانگریسی عزائم کی بے لوث خدمت کی اور جنہوں نے اسلام و مسلمان دونوں کی دھجیاں اڑا دینے میں کوئی دقیقہ گذاشت نہ چھوڑا۔ مگر خدا نے ان کانگریس کے پجاری علماء کی ان تمام سعی و جہد کو خاک میں ملا دیا۔ اور قیام پاکستان کی تحریک "حقیقت" بن کر دنیا کے نقشے پر نمودار ہوئی۔ لیکن قارئین آج انتہائی دکھ ہوتا ہے کہ وہ جو سب کچھ "تھے" تاریخ کے اوراق پر ان کے نام تک رقم نہیں اور جو سب کچھ نہ "تھے" ان کی تعریف و توصیف کر کے تاریخ کو مسخ کر دیا جاتا ہے۔ یہ بڑا عظیم المیہ ہے جس کا تدارک ہونا چاہیئے۔ ورنہ بار بار دہرائے جانے والا جھوٹ سچ نظر آنے لگتا ہے۔

بقیہ: سندھ کی صورتحال

سے گا اب فوج ہمارے لئے انسولین کا انجکشن بن گئی ہے اگر وہ موجود ہے تو حالات بہتر رہتے ہیں۔ اگر وہ چلی جائے تو پھر وہی دما دم مست قلندر والی کیفیت ہو جاتی ہے۔

بنیادی طور پر میں ایک صحافی ہوں۔ پاکستان میری سوچ ہے۔ انسانیت پر یقین رکھتا ہوں خون کسی کا بھی بہے وہ انسانیت کا خون ہے۔ سندھ سے محبت کرتا ہوں۔ میرے بچوں نے یہاں پر جنم لیا ہے۔ سندھ کے مفادات ـــــ کے خلاف سوچنا گناہ عظیم تصور کرتا ہوں۔ اور ظاہر ہے کہ یہی احساسات ان لوگوں کے بھی ہیں جو برسوں سے سندھ میں رہ رہے ہیں۔ اور یہاں رہنا ہے اور اب اندازہ لگائیں کہ جو شخص ایک مکان میں یا صوبے میں رہتا ہے اور بستا ہے کیا وہ اس کو تباہ کرنا چاہے گا اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ خود اپنے آپ کو تباہ کرنے پر تلا ہوا ہے بات یہ نہیں ہے حالات اور واقعات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ تمام لوگ اسی طرح رہنا چاہتے ہیں کیونکہ اگر لوگ واقعی میں ایک دوسرے کے ساتھ لڑنا چاہتے ہیں۔ یا ایک دوسرے کے ساتھ رہنا نہیں چاہتے۔ تو پھر سندھ میں اب تک تمام لوگ ایک دوسرے کے ساتھ لڑ کر اپنے آپ کو ختم کر چکے ہوتے ایسا نہیں ایسے واقعات موجود ہیں کہ اندرون سندھ میں بعض مواقع پر لوگوں نے ایک طبقے نے دوسرے طبقے کی مدد کی ہے۔ جس سے یہ ظاہر ہوا کہ لوگ ایک دوسرے کے ساتھ مل کر رہنا چاہتے ہیں۔ فرق صاف ظاہر ہے کہ "بعض لوگ" سندھ کے لوگوں کو ایک دوسرے کے ساتھ لڑا کر اپنے مذموم عزائم کی تکمیل کرانے کے لئے راستہ ہموار کرنا چاہتے ہیں

ضرورت اس امر کی ہے کہ اب بھی وقت ہاتھ سے گیا نہیں ہے۔ اگر حکومت اور محب وطن جماعتیں چاہے وہ کسی بھی پارٹی سے تعلق رکھتے ہوں وہ اپنا محب الوطن کردار ادا کریں۔ حکومت کو چاہیئے کہ وہ سندھ میں آباد سندھی، مہاجر، پنجابی، اور پختونوں کو ایک میز پر جمع کر کے ان سے بات چیت کرے اور نہایت تحمل اور افہام و تفہیم کے ذریعہ ان کے حقوق طے کرائے جائیں اور تمام معاملات طے ہو جانے کے بعد یہ چاروں طبقے کے نمائندے اندرون سندھ اور شہری علاقوں میں جائیں اور جو لوگ نقل مکانی کر کے اپنی جگہوں کو چھوڑ کر آ گئے ہیں ان تمام کو واپس ان کے شہروں یا قصبوں میں دوبارہ ان کے گھروں کے قبضے واپس دلائے جائیں۔ جو لوگ بھی اس میں رکاوٹ پیدا کرتے ہیں ان کے ساتھ سختی کے ساتھ نمٹا جائے۔

AHWAL *Weekly* Regd. No. M-178 August 16 to 22 1990